ماہنامہ
افکارِ العارف
لاہور
Monthly
Afkar-e-AL-ARIF
Lhr
October, 2023

ماہنامہ افکار العارف لاہور
MONTHLY AFKAR-E-AL-ARIF
LAHORE

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا

(حضرت علیؑ)

اکتوبر 2023ء | جلد نمبر 15 | شمارہ نمبر: 10

ڈیکلریشن نمبر: PCPB-495 رجسٹرڈ نمبر: CPL-60

مینجنگ ایڈیٹر: حیدر ثقفی

ایڈیٹر: ارشاد حسین ناصر

خاتون ایڈیٹر: خواہر عظمیٰ شیرازی

لیگل ایڈوائزر: سید عون سجاد ایڈووکیٹ

مجلس ادارت

- ڈاکٹر راشد عباس سید
- ناصر عباس شیرازی
- سید نثار علی ترمذی
- یافث نوید ہاشمی
- شیخ سلمان رضا
- ایم حیدر

ڈیزائننگ: حسن نصراللہ

ادارے کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

بیرون ملک نمائندگان

لبنان: علی اکبر — کویت: ذوالفقار مطہری
تہران: سید اصغر کاظمی — قم المقدس: سید مدثر ترمذی
امریکہ: سجاد بلوچ — برطانیہ: چوہدری امین طاہر

دامنِ العارف میں

اسرائیل سفاکیت کی انتہا، ظلم پھر ظلم ہے	ادارہ	02
رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارا کردار	ارشاد حسین ناصر	04
پیغمبر اکرم کی عملی سیرت	المہدی ادارہ	07
سیرت امام جعفر صادقؑ	مؤسسۃ البلاغ	12
حماس کی کاروائی، ایران اور مزاحمتی قوتوں کا کردار	ارشاد حسین ناصر	19
امریکہ غزہ کے بچوں کا قاتل کیوں؟	سجاد مرادی	23
گفتارِ دلنشین	رہبر معظم	25
ترکی فلسطین کی کتنی مدد کرے گا؟	شفقت شیرازی	27
رپورٹ قرآن واہلِ بیت کنونشن	علی ناصر الحسینی	30
اخلاق مسئولین کے بنیادی اصول	ادارہ المہدی	33
ڈاکٹر قیصر سیال؛ ایک گوہرِ نایاب	نثار علی ترمذی	40
لبیک اللھم لبیک	عرفان حیدر	42
خاک پر سجدہ کرنا روحِ عبادت ہے	جعفر سبحانی	44

قیمت فی شمارہ 50 روپے زر اشتراک بیرون از ملک
زرِ سالانہ 750 روپے بھارت، ایران، سعودی عرب، ابوظہبی، کویت، امریکہ، لبنان، یو کے 25 ڈالرز

پبلشر ارشاد حسین نے بینکوئٹ پریس لاہور سے چھپوا کر 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

Afkaralarif@gmail.com

برائے رابطہ: ماہنامہ افکار العارف المصطفے ہاؤس 5۔ مسلم ٹاؤن موڑ وحدت روڈ لاہور فون 0423-5912650 0333-4424817

اداریہ

ہم کل بھی سردارِ صداقت کے امین تھے ہم آج بھی انکارِ حقیقت نہ کریں گے

اسرائیلی سفاکیت کی انتہا۔ظلم پھر ظلم ہے

دنیا کے نقشے پہ ناجائز وجود اسرائل ظلم، بربریت، سفاکیت کی تمام حدود کو پار کر چکا ہے، اس سفاکیت نے دنیا کے انصاف پسند لوگوں، بلکہ ہر درد دل رکھنے والے آزاد فکر انسان کو غم ناک کی اہوا ہے، سفاکیت، درندگی کے ایسے مناظر اس سے قبل شاید ہی کسی نے دیکھے ہوں، یہ سفاکیت، یہ درندگی، یہ ظلم اس قدر بڑھ چکا ہے کہ اس کا راستہ روکنا دنیا کی پہلی ترجیح ہونا چاہیے تھا مگر پوری دنیا مین کوئی بھی اس بدمعاشی، اس تجاوز، اس ظلم کا راستہ روکنے میں سنجیدہ دکھائی نہیں دیتا، بلکہ نام نہاد سپر طاقتوں میں سے اس ظلم کا برابر کا ھصہ دار امریکہ اسے بڑھاوا دے رہا ہے اور اقوام متحدہ میں جنگ بندی کی قراداد کو ویتو کرتے ہوئے اسرائیل کیلیئے جدید ہتھیاروں اور اسلحہ کیساتھ ساتھ اپنی افواج بھی بھیج رہا ہے ایک طرف اس کے بحری بیڑے عرب ممالک میں اس کے بنائے گئے بیسز سے سمندری حدود میں پہنچ رہے ہیں تو دوسری جانب انہیں ہائی الرٹ پوزیشن میں لایا گیا ہے، ایسے میں مظلوم، ستم رسیدہ اہل غزہ، اہل فلسطین کی مدد و نصرت کرنے کیلیئے نام نہاد امت مسلمہ، عرب لیگ، اوآئی سی جیسی بے کار تنظیمیں کوئی جرات مندانہ اقدام کرنے کی بجائے حماس کی کاروائی کی مزمت میں لگے ہوئے ہیں، اور تو اور بعض ممالک جن میں امارات کا نام سامنے آرہا ہے کی افواج بالخصوص ہوائی افواج کی بت گناہ فلسطینیوں پہ کارپٹ بمبارمنٹ میں ملوث بتائی جارہی ہیں جو بے حد افسوسناک ہیں۔

اسی طرح کعبہ پہ قابض آل سعود خاندان بھی اتنی جرات نہیں رکھتا کہ آگے بڑھ کے فلسطینیوں کے حق زندگی کی بات کرے، کہ اسرائیل نے اہل غزہ سے جینے کا حق چھین لیا ہے۔

غزہ پہ پانی کی بندش ہے، بجلی کی بندش ہے، پٹرول کی بندش ہے، کھانے پینے کی اشیاء کی شدید قلت ہے، ایک طرف معصوم بچوں کے دودھ کی کمی ہے تو دوسری طرف دودھ پیتے بچوں کو ان کی ماؤں کی گود میں بم مار کے، کارپٹ بمباری کر موت کی وادی میں دھکیلا جارہا ہے، سات اکتوبر سے اب تک سینکڑوں دودھ پیتے کم سن بچے شہادت سے ہمکنار ہو چکے ہیں، دنیا کے انصاف پسند، انسانی حقوق کی بات کرنے والے، بنیادی انسانی حقوق کے نعرے لگانے والے اور جنگوں میں جنگی جرائم کی روک تھام کرنے والے نام نہاد عالمی اداروں کو توفیق نہیں ہوئی کہ وہ دو حرفی مذمت ہی کر دیں اور اسرائیل جیسے ظالم کے خلاف زبان کھول سکیں۔

دنیا کو یہ پہلی بار دیکھنے کو مل رہا ہے کہ اسرائیل بڑی ڈھٹائی سے شہری آبادیوں کو نشانہ بنا کے پھر دھمکی دیتا ہے کہ اسپتال خالی کر دیں ہم بم ماریں گے، اور پھر بلا جھجک اسپتالوں پہ بارود کی بارش کر دیتا ہے، جس کا الزام حماس پہ لگانے کی بھونڈی حرکت کی جاتی ہے، اسیطرح غزہ میں اسکولز کو بتا کے نشانہ بنایا جاتا ہے، شاپنگ مالز کو بمبارمنٹ کے ساتھ مٹی کے ڈھیر میں تبدیل کیا جاتا ہے، رہائشی کالونیز کو بھی وارننگ دے کے نشانہ بنایا جاتا ہے جس میں ایک ہی وقت میں سینکڑوں لوگ موت کی وادی میں دھکیل دیے جاتے ہیں، ان سارے جرائم میں

امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اس اسرائیل کیساتھ برابر کے شریک دکھائی دیتے ہیں، ان ممالک ے سربراہان اسرائیل جا کے ان کیساتھ اظہار یکجہتی کا اعلان کرتے دیکھے جاسکتے ہیں، جبکہ مظلوم فلسطینیوں کی مدد ،نصرت، انکیساتھ ہمدردی، ان کا غم محسوس کرنے میں نام نہاد مسلم حکمران لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے امریکہ واسرائیل سے وفاداری کا ثبوت دینے کی کوششوں میں مصروف ہیں، عجیب بات ہے کہ مظلوم فلسطینیوں کے حق میں سب سے بڑے احتجاجی اجتماع اور ریلیاں اہل مغرب نے نکالی ہیں، بذات خود امریکہ، فرانس، جرمن، سویڈن، انگلینڈ جیسے ممالک میں عوام وخواص نے اس ظلم پہ میدان میں آ کے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور دنیا کو بتایا ہے کہ اسرائیل ایک غاصب اور ظالم ریاست ہے جو بچوں کی قاتل ہے، جو سفاکیت کی انتہا کو چھو رہی ہے، جس کیلئے اسپتال، تعلیمی ادارے، رہائشی بستیاں فرق نہیں رکھتیں، اس کیلئے مسلح گروہوں اور عوام میں کوئی فرق نہیں ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان سب جنگی جرائم پہ اسے کسی نے اب تک نہیں پوچھا نا ہی کسی نے بعد میں پوچھنا ہے، یہی کام اگر روس یوکرین میں کرتا تو جنگی مجرم ہوتا، اس پہ عالمی عدالت میں جنگی جرائم کا مقدمہ چلایا جاتا، یہی کام اگر کوئی مسلم ریاست کرتی تو اس کا اقتدار اعلی تبدیل کرنے کیلئے ساری دنیا کا اتحاد بنا لیا جاتا جس میں نام نہاد مسلم ممالک بھی شامل ہوتے، ماضی قریب میں ایسے ہی الزامات لگا کے شام میں کیا کچھ نہیں کیا گیا۔

اس وقت سب سے بھیانک کردار مسلم مالک اور ان کے سربراہان کا ہے جنہوں نے اپنی کرسی اقتدار کی خاطر ظلم کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا ہے، اسرائیل جیسے سفاک درندے کے سامنے جھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور حماس کی مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں، اندازہ لگائیں کہ یہی نام نہاد عرب وترک حکمران تھے جو شام کے خلاف میدان میں اترے ہوئے تھے، شام کی اینٹ سے اینٹ بجانے کیلئے دنیا بھر سے جنگجو بھرتی کر کے ترکی کے ذریعے شام میں بھیج رہے تھے، آج ان کو اجڑا ہوا غزہ دکھائی نہیں دے رہا، آج غزہ کے ستم رسیدہ، اجڑے شہر جسے کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا ہے کیلئے درد محسوس نہیں ہو رہا، افغانستان کی نام نہاد حکومت بھی شام تک اپنے کرائے کے جنگجو بھیج رہی تھی اب ایک بیان دینے سے بھی قاصر دکھائی دیتی ہے کہ کہیں اس کو لانے والا امریکہ ناراض نہ ہوجائے۔

یہ بات بہت حوصلہ افزا رہی ہے اور اب بھی ہے کہ اہل فلسطین کی مزاحمت و مقاومت ایسے فرقہ باز، متعصب گروہوں جن کی گھٹی میں تعصب گھوٹ گھوٹ کے بھرا گیا ہے سے دور ہیں، اسیوجہ سے فلسطینیوں کی جدوجہد کامیابی کے قریب ہے اور اس میں گذشتہ پچھتر برس میں ہر دن کیساتھ بہتری آئی ہے، یہ لوگ پتھروں سے شروع ہوئے تھے اور اب میزائل و ڈرون ٹیکنولوجی کے ذریعے دشمن کے دانت کھٹے کرنے میں مصروف ہیں، دشمن اتنا بوکھلایا ہوا ہے کہ اسے یہ مجاہد اور ان کی کمین گاہیں نہیں ملتیں تو اسپتالوں، رہائشی بستیوں، اسکولز، شاپنگ مالز کو نشانہ بناتا ہے، بے گناہوں، نہتے عوام کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگتا ہے، مہذب دنیا مجرمانہ طور پہ اس کو چھوٹ دیتے ہیں اور انسانیت شرما جاتی ہے، تاریخ کے تاریک ترین ابواب اس دور میں لکھے جارہے ہیں جس میں ہر ایک کا کردار آئندہ نسلوں کے سامنے اس کی آئندہ نسلوں کو شرمندہ کرے گا۔

اسرائیل ایک ناجائز، سفاک وجود کا نام ہے، اس کی بنیاد ظلم پہ رکھی گئی تھی، جسے اسکے ظلم سمیت ختم ہونا ہے، اس کے خاتمہ کا سفر تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے، آج کے اسکے اقدامات اسے دنیا کے نقشے سے صاف کرنے کا پیش خیمہ ضرور بنتے دکھائی دیتے ہیں، اس لیے کہ

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

شہادت کے طلبگاروں، موت کو گلے کا ہار بنانے والوں ، استقامت، مزاحمت، مقاومت کا پرچم بلند کرنے والوں کو ایسے ظلم، ایسی سفاکیت، ایسی درندگی سے اپنے ہدف اور مقصد سے دور نہیں ہٹایا جا سکتا، ہمارے دل مظلوموں کیساتھ دھڑکتے ہیں کہ ہم کربلائی ہیں، ظالم سے ٹکرانا ہمارا ہی ورثہ ہے جس کیلئے ہم ہر رکاوٹ اور دیوار کو پچھاڑ سکتے ہیں غزہ کا راستہ ہمیں معلوم ہے، القدس کا راستہ ہمیں معلوم ہے، ہم اپنے بھائیوں کی نصرت کیلئے پیچھے نہیں رہیں گے۔ القدس کی پکار پہ، غزہ کی پکار پہ ہم لبیک کہتے ہوئے پہنچیں گے، کوئی ہمیں روک نہیں سکتا۔

رسولِ رحمتؐ اور ہمارا کردار

ارشاد حسین ناصر

ظہورِ اسلام سے قبل اقوامِ عالم کی جو حالت تھی اس کے بارے تاریخ کے اوراق سے پوچھو تو یہ سامنے آتا ہے کہ قبل از بعثت نبویؐ انسانی گردنوں میں طرح طرح کے پھندے، قسم قسم کی بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں؟ نسلِ انسانی اس وقت رنگ رنگ کی جکڑ بندیوں میں جکڑی ہوئی تھی، ان کے بوجھ کیوجہ سے انکی کمریں دوتہہ ہوئی جاتی تھیں اور انسانی کاندھوں پر ایسے بوجھ لدے ہوئے تھے جنھوں نے ان کی زندگیوں کو تلخ ترین بنا ڈالا تھا، ہاں ایسا ہی تھا اس وقت کی صدہا اقسام کی مذہبی وقانونی جکڑ بندیاں ایک لعنت بن کر نسلِ انسانی ونوعِ بشری کے ساتھ چپک گئی تھیں اور انسانوں کے ساتھ انسانیت کا بھی خون ہو رہا تھا ایسے ماحول و معاشرے میں توحید خالص کی طرف سے ،، وما ارسلنک اِلا رحمۃ لِلعالمین ،، کا ظہور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ رحمۃ للعالمین، تمام نوعِ انسانی کے لئے رحمت بن کے ظاہر ہوئے، روایتی طور پہ آپؐ کسی ایک ٹکڑے، کسی ایک گوشے کے لئے نہیں تمام نوعِ انسانی کے لئے، مشرق و مغرب کے لئے، اسود و احمر کے لئے، کسی ایک خاص قوم کے لئے نہیں، اقوامِ عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے، اللہ کا یہ اعلانِ حق ہے قرآن کے اس اعلانِ حق سے آج تک کوئی منکر بھی انکار نہیں کر سکا، بلکہ تاریخ کے جتنے ابواب واوراق الٹے گئے اس اعلان کی صداقت وحقانیت واضح بلکہ واضح تر ہوتی گئی اور اس وجودِ گرامی کا رحمۃ للعالمین ہونا ہر اعتبار سے اور ہر نوعیت سے ثابت و درست ہوتا گیا۔ کسی محقق کی بھی خواہ وہ کتنا ہی مخالف ہو، یہ مجال نہیں ہوئی کہ قرآنِ کریم کے اس معیار کو غلط ثابت کر سکے اور اس وجودِ اقدس کے اعمالِ حسنہ پر خوف رکھ سکے اس کا ہر عمل بجائے خود دلیل بن کر پکارا کہ ہاں میں رحمت ہوں !

اگر کسی نوعیت سے یہ رحمت نہ ہو تو پھر رحمت کون ہے اور رحمۃ للعالمین تمام جہانوں کیلئے رحمت؟ تاریخ کو کون جھٹلا سکتا ہے کوئی بھی تاریخ اٹھاؤ تو دیکھو گے کہ ہر امتیاز، ہر پرکھ ایک ابھری ہوئی نشانی ہے، ہر عمل عملِ خیر اور معیارِ رحمت ہے ایسا کہ ہر نظر، ہر نگاہ، ہر دل، ہر دماغ، اعتراف وتسلیم کرے گا کہ بلا شک وشبہ یہی وجودِ گرامی رحمتِ الٰہی ہے۔۔ وما ارسلنک اِلا رحمۃ لِلعالمین !

کونسی رحمت وہی جو سرزمین مکہ سے ظاہر ہوئی، ہاں سر

زمینِ مکہ سے ہی ایک آواز بلند ہوتی ہے جو طالبانِ نجات کے لئے وجہ نجات ثابت ہوتی ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی اعلان نہیں تھا، کیا اعلان؟ اعلان کہ ایک ہستی آئی ہے، کیوں آئی ہے؟ کرہ ارضی پر بسنے والی نوعِ انسانی کے لئے پیامِ رحمت لے کر، زمین کی پیٹھ پر، اس طبقہ انسانی کے لئے، جس کی گردنوں میں ظالمانہ قانون کے پھندے اور پاؤں میں بے رحمانہ احکام کی بیڑیاں، کندھوں پر مصائب و آلام کے اور مشقت و مصیبت کے ناقابل برداشت بوجھ لدے ہوئے ہیں، پیغامِ آزادی لے کر، ہر اس کمر کے لئے جو بوجھ سے خمیدہ اور ہر اس گردن کے لئے جو طرح طرح کے ظالمانہ جکڑ بندیوں میں کڑی ہوئی ہے، نویدِ امن لے کر آئی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عرب کا جاہل ماحول کس قسم کا تھا، جہاں نبی رحمت کا نزول مبارک ہوا، جہاں خانہ خدا بت کدہ میں تبدیل کر دیا گیا تھا، جہاں معاشرہ قبائلی و دیگر عصبیتوں میں جکڑا ہوا تھا، لوگ پسے ہوئے تھے اور کچھ لوگ ان پر خدا کی طرح حاکم تھے، جن کا حکم حرف آخر سمجھا جاتا تھا، جو اپنی خدائی کو چیلنج کرنے والی ہر طاقت و قوت کو ختم کر دیتے تھے، جنہیں اپنے آباؤ اجداد کی رسومات پہ فخر تھا، جو جبر و اکراہ سے بھرپور زندگی گذارنے پہ مجبور تھے، ایسے پسے ہوئے، غلامی میں جکڑے، رسومات کے قیدیوں میں آپ کا ظہور واقعی معجزہ تھا۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یسین وہی طٰہٰ

مخلوقات میں یہ جذبہ رحمت سب سے زیادہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا، اور آپ کی رحمت کو زمان و مکان، دوست و دشمن، انسان و حیوان کی تمام تر قیودات سے الگ کر کے بیان فرمایا: وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین۔ اے محبوب ہم نے آپ کو دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کا دائرہ کسی خاص قوم اور کسی خاص جماعت کے لئے محدود نہ تھا بلکہ آپ جس طرح اپنے دوستوں کے لئے رحمت تھے ویسے ہی اپنے دشمنوں کے لئے بھی، جیسے تمام انسانوں کے لئے رحمت تھے ویسے ہی تمام حیوانوں کے لئے بھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے ہر پہلو میں آپ کی رحمت کے جلوے کو دیکھا جا سکتا ہے، آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ واقعی سراپا رحمت ہے، آپ آج بھی باعث رحمت و بخشش ہیں، آپ کا پیغام رحمت ہے، آپ کا قرآن رحمت ہے، آپ کا نام رحمت ہے، آپ کا جہان رحمت ہے، آپ نے جس معاشرے و ماحول میں اسلام کی تبلیغ اور اللہ کے دین کی ترویج کی وہ معاشرہ و سوسائٹی جن جکڑ بندیوں کا شکار تھا ان میں رحمت و شفقت، اور محبت و اخوت، بھائی چارہ و برادری کو اہمیت وارزش دے کر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی وگرنہ کفر کے ان مراکز میں اللہ کی وحدانیت کا پیغام سننے والا کوئی نہ ہوتا یہ آپ کا کردار و عمل تھا کہ لوگ بالخصوص پسے ہوئے، پابرہنہ لوگ آپ کیساتھ آن کھڑے ہوئے انہوں نے اسلام قبول کر کے تکالیف بھی برداشت کیں مگر آپ کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔

آج اگر ہم امت مسلمہ کی حالت زار بالخصوص اپنے ملک میں تقسیم، فرقہ بندی اور تفریق کا جائزہ لیں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم جس نبی رحمت کا کلمہ پڑھتے ہیں اور ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں ان کے اسوہ سے کس قدر دور ہیں، ہمارے اعمال و کردار دوغلے ہیں، ہم ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے نبی رحمت نے منع فرمایا اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہلاتے ہیں، نبی سے محبت کے دعوے بھی کرتے ہیں جبکہ ساری زندگی رحمت بن کر انسانوں و مخلوقات کو اپنے فیوض بخشنے والے پاک پیغمبر نے تو کسی انسان کجا حیوان کو بھی تکلیف

پہنچانا گوارا نہیں کیا اور ہم ہیں کہ لوگوں کو اپنے ذاتی مقاصد کیلئے تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر لاٹھیاں برساتے ہیں، انکا راستہ روکتے ہیں، بیماروں اور مریضوں کو اسپتالوں میں پہنچنے سے روکتے ہیں ،لوگوں کی ذاتی وسرکاری املاک کو آگ لگا دیتے ہیں اور نام ہوتا ہے محبت نبوی کا، کونسے نبی سے محبت کا یہ طریقہ ہے، کس نبی نے یہ گوارا کیا کہ کسی بے گناہ انسان کو ایک معمولی تھپڑ بھی مارا جا سکتا ہے، نبی تو کجا کوئی عام انصاف پسند حکمران یا پیر فقیر بھی ایسا نہیں کرنے دیگا، مگر ہم نے دیکھا کہ ہمارے کیمروں کے سامنے کیسے اسی ملک میں نبی رحمت کے نام پر کروڑوں کی نجی وسرکاری املاک کو جلا دیا گیا، کیا یہی اسلام ہے جس کی دعوت ہم غیر مسلموں کو دینا چاہتے ہیں اور پرچم نبویؐ کو دنیا بھر میں لہراتا دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ کے دین کی سربلندی کا یہی طریقہ ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تو کسی ابوجہل کا طریقہ ہو سکتا ہے، یہ کسی ابوسفیان کی راہ ہوسکتی ہے، یہ بنوامیہ کا انداز ہوسکتا ہے ہمارے پیارے نبی کہ جو تمام انسانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ان کا طریقہ اور اسوہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اگر اسلام عزیز ہے، اگر نبی کا دین عزیز ہے، اگر الہی پیغام عزیز ہے، توحید کی نمائندگی عزیز ہے تو پھر اسوہ نبوی کو اختیار کرنا ہوگا، اور اس پرفتن دور میں سازشوں کو سمجھنا ہوگا۔

موجودہ پرفتن دور میں ہمیں رسول رحمتؐ کے اس جذبے کو اختیار کرتے ہوئے انسانیت کو انسانوں کے ہاتھوں غلامی سے نجات کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت

ہے، اس لیئے کہ جدید دنیا میں جدید غلامی کے اطوار سے انسان اپنے مقصد تخلیق کو بھلا چکا ہے، جس طرح عرب کے جاہل معاشرے میں رسول رحمت نے آکر وقت کے طاغوتوں اور ظالموں کو اپنے بلند کردار اور حکمت عملی سے شکست سے دوچار کیا اسطرح آج کے جدید طاغوتوں اور ظالموں کو ان کے جدید وسائل کے ذریعے اور ان کی حکمت عملیوں کو انہی پر پلٹاتے ہوئے شکست سے دوچار کرنا ہو گا، استعمار کا بہت پرانا حربہ ہے کہ تقسیم کرو اور حکومت کرو، آج بھی ایسا ہی ہو رہا ہے امت مسلمہ اس وقت مختلف گروہوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر دی گئی ہے جو ان ظالمین کی خدمت کے مترادف ہے، ہم اس وقت تک فتح مند نہیں ہو سکتے جب تک باہمی اتحاد، وحدت، اخوت اور بھائی چارگی کا وہ سبق یاد نہ کرلیں جو رسول اکرمؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہمیں دیا اور اپنے معاشرے میں عملی کیا تھا، مسلمانوں کو باہمی اخوت اور بھائی چارگی کے رشتے میں بدل کر آپ نے تمام تفرقات کو ختم کر دیا تھا پھر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور خدائی وعدہ پورا ہوا، اور مسلمان فتح مند ہوئے، آج بھی فتح کا یہی راز ہے، آج بھی امت کی مشکلات ومصائب اور مسائل کے حل کا یہی ایک نسخہ ہے، یہ معمولی فرد کا نسخہ نہیں، یہ الہی نسخہ ہے، جسے قرآن نے حبل اللہ سے تعبیر کیا ہے، آج حبل اللہ کو تھامے بغیر یہ امت سرخرو نہیں ہوسکتی، سلام ہے جمہوری اسلامی ایران کے بنیان گذار امام راحل امام خمینی اور ان کے وارث برحق حضرت علی حسینی الخامنہ ای پر جنہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو وحدت کا پیغام یاد کرایا ہے۔ میلاد نبویؐ کے ایام کو مشترکہ طور پہ منانے کا عظیم نسخہ دیا ہے اور امت کی وحدت کا اہتمام کیا ہے جس کے مناظر ہمیں نیا کے بہت سے گوشوں میں دکھائی بھی دیتے ہیں، امت اگر ان بزرگان کی رہبری و قیادت میں اتحاد، وحدت، اخوت، بھائی چارہ اور یکجہتی کا دامن پکڑ لے تو وقت کے ابوجہل، ابوسفیان اور امیہ کے عمال کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دھر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی سیرت

بے شک رسول خدا کی زندگی تمہارے لیئے اسوہ حسنہ ہے

از: المہدی ادارہ تربیت اسلامی

(۱) ملاقات کے آداب

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر ایک شخص آیا اور آنحضرتؐ سے ملاقات کی درخواست کی۔ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص سے ملاقات کے لیے تیار ہوئے تو آپ نے پانی کا ایک برتن سامنے رکھا اپنے بالوں کو مرتب کیا اس کے بعد ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ ۶۵ ہپید جناب عائشہ نے آپ کے اس عمل سے تعجب کیا اور واپس آتے ہی آپ سے پوچھا: یارسول اللہ ! کیوں ملاقات سے پہلے آپ پانی کے برتن کے سامنے کھڑے ہوئے اور بالوں اور چہرے کو مرتب کیا؟

فرمایا: اے عائشہ! خداوند عالم دوست رکھتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملنے جائے تو اپنے آپ کو مرتب اور مزین کرے۔ (حمید رضا کفاش، درس زندگی از سیرہ پیغمبر (ص)، ص ۱۶)

(۲) کھانا کھانے کے آداب

نقل ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع اور انکساری کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے تھے، اور اپنا وزن اپنے بائیں پہلو پر ڈالتے تھے۔ اور کھانا کھاتے وقت کسی چیز سے ٹیک نہیں لگاتے تھے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتے اور لقموں کے درمیان بھی اللہ کو یاد کرتے اور اس کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ یہ چیز اس بات کی حکایت کرتی ہے کہ انسان کو ہمیشہ نعمتیں عطا کرنے والے کی یاد میں رہنا چاہیے۔ آپ کھانا کھانے میں زیادہ روی نہیں کرتے تھے۔ جب کسی کھانے کو ہاتھ لگاتے تھے تو فرماتے تھے: "بسم اللہ، پروردگارا! اس میں برکت عطا کر۔ آپ کسی بھی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے اگر دل چاہتا تھا تو کھاتے تھے ورنہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔ آپ کبھی بھی اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے پسند فرماتے تھے کہ دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ دستر خوان پر آپ سب سے پہلے شروع کرتے تھے اور سب سے آخر میں ہاتھ کھینچتے تھے تا کہ دوسروں کو کھانا کھانے سے شرم محسوس نہ ہو۔ اور بھوکے دستر خوان سے نہ اٹھ جائیں۔ آپ اپنے سامنے سے کھاتے تھے اور گرم کھانا نہیں کھاتے تھے آپ کا کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا جیسے جو کی روٹی اور نمک۔ آپ نے کبھی بھی گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ آپ کھانے میں خرما زیادہ پسند کیا کرتے تھے۔ (بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۳۶ سے ۲۳۹ تک)

(۳) بیٹھنے کے آداب

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھنے کے لیے کسی مخصوص جگہ کا انتخاب نہیں کرتے تھے۔ اور کوشش کرتے تھے کہ مجلس میں آخر میں دروازہ ہی کے پاس بیٹھ جائیں۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اٹھتے بیٹھتے وقت کوئی آپ کے احترام کے لیے اٹھے۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا: "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے احترام میں کھڑے ہوں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۱۵۲)

(۴) علم و دانش کی اہمیت

انصار کا ایک آدمی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا:

یارسول اللہ! اگر ایک طرف جنازہ رکھا ہو اور دوسری طرف علماء کی مجلس ہو تو میں کس کو ترجیح دوں اور کس میں شرکت کروں؟ (یعنی نماز جنازہ میں شرکت کروں یا علماء کی بزم میں بیٹھوں؟) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر جنازہ کو کفن و دفن کرنے والے اتنے لوگ ہوں کہ تمہاری گردن سے تکلیف ساقط ہو جائے تو علماء کی بزم میں شرکت کرنا ہزار جنازوں کی تشییع کرنے، ہزار مریضوں کی عیادت کرنے، ہزار شب و روز نمازیں اور روزے رکھنے، ہزار فقیروں کو صدقہ دینے، ہزار مستحبی حج بجالانے اور راہ خدا میں اپنے جان و مال سے ہزار جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ یہ سب چیزیں ایک عالم کے حضور میں شرفیاب ہونے کی فضیلت کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ کیا نہیں سنا ہے کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی علم اور معرفت سے وابستہ ہے؟ دنیا اور آخرت کی خیر و خوبی علم سے ہے؟ اور دنیا اور آخرت کی بدبختی جہالت سے ہے؟ (بحارالانوار، ج ۱، ص ۲۰۴)

(۵) دوسروں کا احترام کرنا

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی کے ساتھ مصافحہ کرتے تھے تو جب تک سامنے والا اپنا ہاتھ پیچھے نہ کرے آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ نہیں کرتے تھے۔ جو بھی کوئی کام آپ کے سپرد کرتا تھا آپ اس کو فوراً انجام دیتے تھے مگر یہ کہ وہ خود اس سے منصرف ہو جائے۔ جب آپ کسی سے گفتگو کرتے تھے تو جب تک سامنے والا خود خاموش نہ ہو جائے آپ اس سے محو گفتگو رہتے تھے۔ اور کبھی بھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ آپ کسی دوسرے کے پاس پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوں۔ (درس زندگی، حمید رضا کفاش، ص ۲۰)

(۶) بچوں کا احترام

ایک دن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام گھر میں داخل ہوئے۔ آنحضرتؐ ان کے استقبال کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے اور ان کا انتظار کرنے لگے چونکہ بچے دھیرے دھیرے چل رہے تھے کچھ لمحوں کے بعد پیغمبر اکرمؐ خود ان کی طرف بڑھے اور دونوں کو اپنے کاندھے پر بٹھایا اور لے کر چل پڑے اور فرما رہے تھے: میرے عزیز بچو! تمہاری سواری کتنی اچھی ہے اور تم سوار بھی کتنے اچھے ہو۔ (بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۲۸۵)

(۷) والدین کا احترام

ایک آدمی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یارسول اللہ! میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازے اور حورالعین کی پیشانی کا بوسہ لوں۔ لہذا کیا کروں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اپنی ماں کے پیروں اور باپ کی پیشانی کا بوسہ لو۔ (یعنی اگر ایسا کرو تو اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے)

اس نے کہا: اگر والدین مر چکے ہوں تو کیا کروں؟

آپ نے فرمایا: ان کی قبروں کا بوسہ لو۔ (بیست و پنج اصل از اصول اخلاق امامان، ص ۷۹)

(۸) مومن کا احترام

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کی طرف نگاہ کر کے فرمایا:

خوش نصیب ہے تو اے گھر جسے عظیم سمجھا جاتا ہے اور جس کا احترام کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محترم ہے اس لیے کہ خداوند عالم نے تیرے لیے ایک چیز کو حرام کیا ہے وہ یہ کہ تیرے پاس قتل و غارت حرام ہے۔ لیکن مومن کے لیے تین چیزوں کو حرام کیا ہے مومن کی جان، اس کا مال، اور اس کی نسبت برا گمان کرنا حرام قرار دیا ہے۔ (سفینۃ البحار، مادہ امن)

(۹) کام کی اہمیت

ابن عباس کہتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی شخص سے ملاقات کرتے تھے تو سب سے پہلے اس سے اس کے مشغلہ اور کام کے بارے میں سوال کرتے تھے، اگر وہ کہتا تھا کہ بیکار ہوں تو آپ فرماتے تھے: میری نظروں سے گر گئے ہو۔ اور جب اس کی وجہ معلوم کی جاتی تھی تو فرماتے تھے: جب مومن بیکار ہو جاتا ہے تو مجبوراً اپنے دین کا اپنے معاش سے سودا کرتا ہے۔ (بحارالانوار، ج ۲، ص ۱۰۰)

(۱۰) اصول کی پابندی

عبداللہ بن ابی، منافقین کا سردار جس نے بظاہر کلمہ شہادت پڑھ کر امان حاصل کر رکھی تھی لیکن باطنی طور پر وہ رسول خداؐ کی مدینہ ہجرت اور اپنی حکومت کی بساط سمٹنے سے سخت رنجیدہ تھا اور اپنے دل میں رسول خدا اور

اسلام کی نسبت عداوت پال رہا تھا۔اور اسلام کے دشمن یہودیوں کے ساتھ مل کر، اسلام کے خلاف سازشوں اور پروپیگنڈوں میں بھرپور حصہ لیتا تھا۔ آنحضرتؐ نہ صرف اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ آپ کے اصحاب اسے اس کے عمل کی سزا دیں بلکہ مکمل احترام کیساتھ اس کیساتھ برتاؤ رکھتے تھے۔اور بیماری کے وقت اس کی عیادت کرنے جاتے تھے۔

غزوہ تبوک سے پلٹتے وقت بعض منافقین نے آنحضرتؐ کی جان لینے کے لیے سازش تیار کی کہ ایک گھاٹی سے گزرتے وقت آپ کی سواری کو گرایا جائے، اس کے باوجود کہ سب منافقین نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے پیغمبر اکرمؐ نے سب کو پہچان لیا لیکن اپنے اصحاب کے درمیان ان کا راز فاش نہیں کیا اور انہیں کسی قسم کی سزا دینے سے صرف نظر اختیار کیا۔(صحیح بخاری، ج۵،ص ۱۵۲)

(۱۱) سماج کے لیے نمونہ عمل

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا لباس خود سیتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود ٹانکتے تھے، اپنی بکری کا دودھ خود دوھتے تھے غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ زمین پر بیٹھتے تھے اور گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ اور خود بازار جانے سے شرم نہیں کرتے تھے اور خود گھر کی ضرورت بھری چیزوں کو خرید کر لاتے تھے۔ ہر کسی کے ساتھ ہاتھ ملاتے تھے اور جب تک سامنے والا اپنا ہاتھ پیچھے نہ کرے آپ ہاتھ نہیں کھینچتے تھے۔سب کو سلام کرتے تھے اور جب کوئی آپ کو دعوت کرتا تھا چاہے کھجور پر ہی ہو تو آپ اس کی دعوت کو کبھی رد نہیں کرتے تھے۔آپ اسراف اور فضول خرچی سے شدت کیساتھ پرہیز کرتے تھے اور ہر کسی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔آپ کا چہرہ حشاش بشاش ہوتا تھا اور آپ کے چہرے سے رنج وغم کے وقت غصے کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔تواضع وانکساری میں ذلت و رسوائی نہیں تھی، آپ بخشش کرنے والے اور مہربان دل انسان تھے، سب مسلمانوں کے ساتھ مہربانی کرتے تھے۔کبھی بھی دسترخوان سے سیر ہو کر نہیں اٹھتے تھے۔اور کسی چیز کی طرف طمع کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔(صحیح بخاری، ج۵،ص ۳۳۰)

(۱۲) امتیاز کا قائل نہ ہونا

نقل ہوا ہے کہ ایک دن رسول اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ ایک سفر پر تھے کھانے کے لیے آپ نے ایک گوسفند کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ! گوسفند کو ذبح کرنا میرے ذمہ ہے۔دوسرے شخص نے کہا: اس کی کھال اتارنا میری ذمہ داری ہے۔تیسرے نے کہا: اس کو پکانا میرا کام ہے۔آنحضرتؐ نے ان کے ساتھ حصہ لیتے ہوئے فرمایا: لکڑیاں جمع کر کے لانا میرا کام ہے۔اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! ہم ہیں نا، لکڑیاں خود اکھٹا کریں گے۔ آپ زحمت نہیں اٹھائیں۔فرمایا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں اپنے آپ کو تمہارے درمیان ممتاز سمجھوں۔ یقینا خداوند عالم کو بھی اس بات سے نفرت آتی ہے کہ اس کا بندہ اپنے دوستوں کے درمیان خود کو ممتاز سمجھنے لگے۔(منتھی الآمال، ج۱،ص ۲۳)

(۱۳) انصاف

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عمر مبارک سات سال تھی تو ایک دن آپ نے اپنی دائی حلیمہ سعدیہ سے پوچھا: میرے بھائی کہاں ہیں (چونکہ آپ حلیمہ کے گھر میں رہتے تھے اور حلیمہ کے بیٹوں کو آپ بھائی کہا کرتے تھے) حلیمہ نے جواب دیا: بیٹا! وہ ان بھیڑ بکریوں کو لے کر چراگاہ گئے ہیں جنہیں خداوند عالم نے آپ کے وجود کی برکت سے ہمیں عطا کیا ہے۔آپ نے فرمایا: مادر گرامی ! آپ نے میرے سلسلے میں انصاف سے کام نہیں لیا۔ ماں نے پوچھا: کیوں؟ فرمایا: کیا مناسب ہے کہ میں گھر کی چھت کے سائے میں رہوں اور دودھ پیوں لیکن میرے بھائی جنگلوں اور صحراوں کی تپتی دھوپ میں جائیں؟ (بحار الانوار، ج۱۵،ص ۳۷۶)

(۱۴) زندگی کے ابتدائی سال

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں میں جب سرزمین "اجیاد" مکہ کے اطراف میں چوپانی کرتے تھے تو خلوت اور تنہائی سے مانوس ہو گئے تھے۔صحراوں کے سناٹے میں گھنٹوں غور وفکر کرتے تھے اور اپنے وجود اور زندگی کے بارے میں سوچتے تھے۔آپ اپنے قوم وقبیلہ کی دنیا سے ہٹ کر ایک دوسری دنیا میں جیتے تھے۔اور کبھی بھی ان کے لہو ولعب کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوئے اور ان پروگراموں میں جو بتوں کی مناسبتوں سے منعقد ہوتے تھے کبھی حصہ نہیں لیتے تھے۔اور اس قربانی کے گوشت کو چکھتے تک نہیں تھے جسے بتوں کے لیے قربانی کیا جاتا

تھا(سیرہ احمد زینی۔ص ۹۵)۔آپ نے اپنے تفکر کی سیر کو بہت جلد کلمہ توحیداور اس کے ماسوا کی نفی پر لاکرختم کیا تھا۔آپ بتوں سے متنفر رہتے تھے اور فرماتے تھے: " کسی چیز سے میں ان بتوں سے زیادہ دشمنی نہیں رکھتا "

(سیرہ حلبی۔ج ا،ص ۱۷۰)

(۱۵) بخیلی

ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے طواف میں مشغول تھے ایک آدمی کو دیکھا کہ کعبہ کے پردے کو پکڑ کر کہہ رہا ہے: خدایا! تجھے اس گھر کی حرمت کی قسم مجھے بخش دے۔

آپ نے اس سے پوچھا: کیا گناہ کیا ہے؟

کہا: میں ایک مالدار آدمی ہوں۔جب کوئی فقیر میری طرف آتا ہے اور مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میرے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

آپ نے اس سے فرمایا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔اور مجھے اپنی آگ میں مت جلاؤ۔

اس کے بعد فرمایا: اگر تم رکن اور مقام کے درمیان دو ہزار رکعت نمازیں پڑھو اور اتنا گریہ کرو کہ اشکوں سے نہریں جاری ہو جائیں لیکن اس بخیلی والی خصلت کیساتھ مر جاؤ تو اہل جہنم کے ساتھ رہو گے۔(جامع السعادات، علامہ نراقی، ج ۲،ص ۱۵۴)

(۱۶) قرض کی ادائیگی

ایک دن ایک شخص کا جنازہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لے کر آئے تا کہ آپ اس پر نماز جنازہ ادا کریں۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تم لوگ اس پر نماز پڑھو میں نہیں پڑھوں گا۔

اصحاب نے کہا: یارسول اللہ ! آپ کیوں نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے؟

فرمایا: اس لیے کہ یہ آدمی لوگوں کا مقروض ہے۔

ابوقتادہ نے آگے بڑھ کر کہا: میں اس کے قرض کا ضامن ہوں۔

فرمایا: تم اس کا سارا قرض ادا کرو گے؟

ابوقتادہ نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! میں اس کا پورا قرض ادا کروں گا۔اس کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے اس میت پر نماز جنازہ ادا کی۔

ابوقتادہ کا کہنا ہے: اس شخص کا قرض سترہ یا اٹھارہ درہم تھا۔(مستدرک الوسائل: ج ۱۳،ص ۴۰۴)

(۱۷) اولاد کے ساتھ برابر کا سلوک

ایک دن پیغمبر اکرمؐ نے دیکھا کہ ایک آدمی نے اپنے ایک بیٹے کا بوسہ لیا اور دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔پیغمبر اکرم (ص) نے ناراضگی کی حالت میں اس سے فرمایا: کیوں تم نے دونوں بیٹوں کے درمیان فرق ڈالا ہے اور دونوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ نہیں کیا؟ (بحارالانوار، ج ۱۰۴،ص ۹۷)

(۱۸) گالیوں کے مقابلہ میں خاموشی

پیغمبر اکرمؐ ایک گروہ کے پاس سے گزرے جن میں ایک شخص بہت بھاری پتھر اٹھا کر اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھلا رہا تھا، اور لوگ اس کے اطراف میں جمع ہو کر اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: یہاں کیا ہو رہا ہے؟ عرض کیا: یہ آدمی بھاری پتھر اٹھا کر اپنی شجاعت دکھا رہا ہے۔فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو میں تمہیں ایک شخص کی خبر دوں جو اس سے زیادہ شجاع ہے۔کہا؛ جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا: وہ شخص جس کو سامنے والا گالیاں دے رہا ہو اور وہ خاموش سنتا رہے اور اسے برداشت کرے اور اپنے نفس اور شیطان پر قابو پالے وہ اس سے زیادہ شجاع ہے۔(مجموعہ ورام،ص ۳۴۰)

(۱۹) مومن کے احترام کے لیے کھڑا ہونا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا۔آنحضرت اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔اس شخص نے کہا: یارسول اللہ ! جگہ کافی ہے آپ کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ فرمایا: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ جب وہ اس کے پاس بیٹھنے کے لیے آئے تو اپنی جگہ اس کو دے دے۔(بحار الانوار، ج ۱۶،ص ۲۴۰)

(۲۰) مزدوروں کے ہاتھ کو بوسہ دینا

جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک سے واپس لوٹ رہے تھے سعد انصاری آپ کے استقبال کے لیے گئے نبی اکرمؐ نے انکے

ساتھ مصافحہ کیا اور جب اپنا ہاتھ انکے ہاتھ میں رکھا تو فرمایا: تمہارے ہاتھ اتنے کھردرے کیوں ہیں؟ کہا: یا رسول اللہ! میں کلہاڑی اور بیلچہ سے کام کرتا ہوں اور اپنے گھر والوں کے لیے روزی مہیا کرتا ہوں۔ رسول خداؐ نے سعد کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہے جس تک آتش جہنم کی حرارت نہیں پہنچے گی۔(اسد الغابۃ؛ ج ۲، ص ۲۶۹)

(۲۱) دنیا کی نسبت بی رغبتی

سہل بن سعد ساعدی کا کہنا ہے: ایک آدمی رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے ایسے عمل کی تعلیم دیجئے جب میں اسے انجام دوں تو خدا اور اس کی مخلوق کا محبوب قرار پاؤں۔ رسول خداؐ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ تا کہ خدا تمہیں دوست رکھے اور جو کچھ مال دنیا تمہارے پاس ہے اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو تا کہ لوگ تم سے راضی ہو جائیں۔(سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳۷۴)

(۲۲) عورتوں کا جہاد

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن جہاد اور مجاہدین کی جزا کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے ایک عورت نے کھڑے ہو کر پوچھا: کیا عورتوں کے لیے بھی یہ فضیلتیں ہیں؟ رسول خدا نے فرمایا: ہاں، اس دن سے لے کر جب عورتیں حاملہ ہوتی ہیں اس دن تک جب تک بچہ دودھ پیتا ہے عورتوں کو خداوند عالم مجاہدین کا ثواب عنایت کرتا ہے۔ اور اگر اس درمیان ان کو موت آ جائے تو ان کا مقام شہید کے مقام جیسا ہے۔(من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۵۶۱)

(۲۳) حالت بیماری میں مومن کی عبادت کا ثواب

ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکراتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کر رہے تھے ایک آدمی نے اس کی وجہ پوچھی۔ آنحضرتؐ نے جواب دیا: میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی، دیکھا کہ دو فرشتے زمین کی طرف آ رہے ہیں، تا کہ ایک اللہ کے مومن بندے کی دن و رات کی نمازوں اور عبادتوں کو لکھیں۔ لیکن اس کو نماز کی جگہ نہیں پایا، بلکہ اسے بیماری کے بستر پر پایا، وہ آسمان کی طرف واپس چلے گئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: ہم معمول کے مطابق اس بندہ مومن کی عبادتگاہ میں اس کی عبادتوں کا ثواب لکھنے گئے۔ لیکن اسے وہاں نہیں پایا بلکہ وہ بستر بیماری پر آرام کر رہا تھا۔ خداوند عالم نے ان فرشتوں سے فرمایا: جب تک وہ بیماری کے بستر پر ہے اس کے لیے وہی ثواب لکھو جو اس کے لیے اس وقت لکھتے تھے جب وہ صحت کے عالم میں اپنی عبادتگاہ میں نمازیں پڑھتا تھا۔ اور مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کے نیک اعمال کا ثواب اس وقت تک لکھتا رہوں جب تک وہ بیماری کے بستر پر ہے۔(فروع کافی، ج ۱، ص ۳۱)

(۲۴) نماز کی تاثیر

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز کی انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نے ایک گناہ کیا ہے اس کی مغفرت کے لیے کیا کروں؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا۔ جب نماز تمام ہو گئی تو وہ آدمی دوبارہ اٹھا اور اپنا سوال دھرایا۔ رسول خداؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: کیا تم نے ابھی نماز ادا نہیں کی، کیا اس کے لیے اچھے طریقے سے وضو نہیں کیا؟ عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! فرمایا: یہی نماز، تمہارے گناہوں کا کفارہ اور ان کی بخشش کا سبب ہے۔(بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۳۱۹)

(۲۵) تحفہ

ابن عباس ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور مہاجرین اور انصار کا ایک گروہ بھی مجلس میں حاضر تھا۔ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: جو شخص بازار جائے اور اپنے اہل وعیال کے لیے تحفہ و تحائف خریدے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے محتاجوں کو صدقہ دیا ہے اور نیز فرمایا: کھانا، پھل، اور دیگر تحائف تقسیم کرتے وقت سب سے پہلے بیٹیوں کو دو اس کے بعد بیٹوں کو۔ یقینا جو شخص اپنی بیٹی کو خوش رکھے گا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے بنی اسماعیل میں سے ایک غلام کو آزاد کیا ہو۔ اور جو شخص اپنے بیٹے کو رونے سے چپ کروائے اور اسے کچھ دے کر خوش کرے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے خدا کے خوف سے گریہ کیا ہے اور جو شخص خوف خدا کی وجہ سے گریہ کرے خداوند عالم اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے۔(وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۲۲۷)

سیرت امام جعفر صادق علیہ السلام

تحریر: موسسۃ البلاغ

ترجمہ: سید احسان حیدر جوادی

امام المسلمین، استادفقہاو محدثین ،مرجع علماء و مفکرین حضرت امام جعفر صادقؑ کے بارے میں کچھ بھی کہنا درحقیقت اہلبیت علیہم السلام کی ایک عظیم شخصیت کے سلسلے میں گفتگو کرنا اورآپ کی دینی امامت کے ساتھ ساتھ فکری قیادت وسیاست کے ایک عظیم وطویل دور کو بیان کرنا ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کی زندگی سے وابستہ رہا ہے۔

آپ کی شخصیت سے ناواقف افراد کیلئے آپ کا تعارف درحقیقت معرفت اہلبیتؑ کے سلسلے ہی کی ایک کڑی ہے۔ کیونکہ خاندان نبوت ورسالت سے تعلق رکھنے والے کسی بھی امام کی زندگی کا اگر تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ حضرات ہمیشہ ایک ہی راستے پر گامزن رہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل ہماہنگی رکھتے تھے۔

آپ حضرات کے یہاں آخری لحات تک ایک متحد ومنفرد تاریخ سازی کا سلسلہ جاری رہا جسکی حد بندی بھی کی گئی اور جس کے اہم واقعات سے لوگوں کو آگاہ بھی رکھا گیا۔اس اقدام کا مقصد صرف شریعت کی حفاظت اور اسکے بنیادی ڈھانچے کو باقی رکھنا تھا۔امام جعفر صادقؑ یا کسی بھی اسلامی شخصیت کی زندگی کا خاکہ پیش کرنے کیلئے ضروری ہے کہ تمام تر توجہ اس خاکے کی عملی قدر وقیمت کی طرف مرکوز کی جائیں اور اس تاریخی دور کو اجاگر کیا جائے، جو تمام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کی زندگی پر اثرانداز رہا ہے۔اس مضمون میں امام کی شخصیت کے تعارف، انکے زمانے کے سیاسی حالات اور امام کے علمی مقام سے تعارف کرایا جائے گا۔

شیعوں کے چھٹے امام جعفر صادقؑ کی 17 ربیع الاول 83 ہجری کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی اس وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی۔آپ کی تربیت آپکے والد حضرت امام محمد باقر اور جد محترم امام علی بن الحسینؑ کے زیر سایہ ہوئی اورانہیں سے علوم شریعت اور معارف اسلامی حاصل کئے۔

امام باقرؑ اپنے دور میں امام المسلمین اور فقہاوعلما ومحدثین کے مرجع تھے۔سینکڑوں علما ومحدثین نے آپ سے کسب فیض کیا اور آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے۔آپ نے مدینہ منورہ کی ایک مسجد کو ایک عظیم درس گاہ کی شکل دیدی تھی۔جس سے علوم شریعت کے چشمے پھوٹتے تھے۔اسی لئے بڑے بڑے علما وفقہاومحدثین نے آپ کی جلیل القدر شخصیت، عظیم الشان مرتبے اور علمی فیضان کا اعتراف بھی کیا ہے۔

سبط بن جوزی نے کہا ہے کہ ''کسی کے سامنے علمانے اتنے چھوٹے نظر نہیں آئے، جتنا امام باقرؑ کی مجلس میں نظر آئے''

امامؑ کے سلسلے میں ابن سعد کا بیان ہے کہ ''آپؑ ثقہ تھے اور علم حدیث میں ید طولی رکھتے تھے''

امام محمد باقرؑ کے دست مبارک سے امام جعفر صادقؑ کی پرورش اور تربیت ہوئی اور جن سے امام جعفر صادقؑ نے علوم ومعارف حاصل کئے اور امام محمد باقرؑ کی تربیت اور علوم ومعارف شریعت وطریقہ زندگی امام زین العابدین سے ودیعت ہوا اور اسی طرح علوم معارف کے حصول کا سلسلہ جناب رسالت مآبؐ تک جا پہنچتا ہے۔ان تمام حقائق سے واقفیت کے بعد ہمارے ذہن میں خاندان نبوت میں علمی وراثت کی کڑیاں مکمل ہوجاتی ہیں اور ہم اس بات سے بھی آگاہ ہوجاتے ہیں کہ اہلبیت کے ہر فرد نے صرف اور صرف اپنے بزرگوں ہی سے کسب علم کیا ہے اور سب کے علم کا سلسلہ ذات رسول اللہ پر ہی منتج ہوتا ہے۔ یہ تمام ذوات مقدسہ ایسے خانوادے میں پروان چڑھیں جس کو علم، ایمان اور اخلاق وراثت میں ملاتھا۔

اہلبیتؑ کی احادیث اور بیان کردہ عقائد اور تشریح وتفسیر وفلسفہ وغیرہ جو کچھ

بھی ان سے نقل کیا گیا ہے، ان سب پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کیا جا سکتا ہے ،اور اسی حقیقت کی امام جعفر صادقؑ نے اس طرح وضاحت فرمائی کہ ''میری حدیث میرے والد کی حدیث ہے اور میرے والد کی حدیث میرے جد کی حدیث ہے اور ان کی حدیث علی بن ابی طالبؑ کی حدیث ہے اور کلام علیؑ فرمان رسولؐ ہے اور فرمان رسولؐ حکم خدا عزوجل ہے۔

اہلبیتؑ کی زندگیاں ایک ایسی زنجیر کی مانند ہیں جس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے اس طرح ملی اور جڑی ہوئی ہیں جن کے درمیان نہ کسی قسم کا فاصلہ ہے اور نہ ہی کوئی اجنبی ہے جو اس میں رخنہ اندازی کر سکے اور ان کڑیوں کا سلسلہ رسول خداؐ پر منتہی ہوتا ہے۔ ان کی زندگیاں ایک جیتا جاگتا مدرسہ اور تجربہ گاہ تھیں جس میں اسلام کی تجسیم ہوئی اسلامی احکام کی تطبیق ہوئی اور اس کے تحفظ کا بندوبست کیا گیا، مندرجہ بالا باتوں سے ہمارے لئے یہ مسلم ہو جاتا ہے کہ ان ہستیوں سے قوم بھی صادر ہوا اور اہلبیت نے جو کچھ بھی انجام دیا وہ سب کا سب ثقہ اور معتبر ہے۔

ان معلومات کی بنا پر ہمیں اس روحانی فضا اور اس علمی مدرسہ کے نشوونما کے حالات کا اندازہ ہوتا ہے اور ہمارے لئے یہ سمجھنا بھی آسان ہو جاتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی نشوونما کن حالات میں ہوئی اور نتیجتاً اس بات کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ امامؑ کی حیات طیبہ اور ان کی وہ عنایات جو علم تفسیر و حدیث ،عقائد، و توحید بلکہ تمام علوم کی شکل میں دنیائے اسلام پر ہوئیں، وہ سب کی سب طاہر و معروف کی امانتدار، وراثت شریعت کی طہارت اور سرچشمہ و مصدر کی اصالت کا نتیجہ تھیں۔ یہیں سے ہمیں امام جعفر صادقؑ کی منزلت کا بھی پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کے ذریعہ صادر ہونیوالی روایات کی شریعت کی نظر میں کیا اہمیت تھی کیونکہ آپؑ والد اپنے والد امام محمد باقر کے بعد امامت الٰہیہ کے تنہا مرکز اور اپنی پوری زندگی میں شریعت کے پاسبان تھے۔

امام علیہ السلام کا سماجی مقام و مرتبہ:

امام جعفر صادقؑ نے اپنے زمانے میں جس عظیم الشان مرتبہ اور بلند و بالا مقام کو حاصل کر لیا تھا اس تک کسی کی بھی رسائی نہ ہو سکی۔ امام کا اپنے زمانے کے تمام تر لوگوں کے درمیان منفرد مقام اور مخصوص مرتبہ تھا۔ آپؑ خاندان نبوت کے سلسلے کی ایک کڑی اور اہلبیتؑ اہم شخصیت ہیں اور ساتھ ساتھ آپ ہی اموی و عباسی ظلم و بربریت کے مقابلے کا راز ہیں۔ ہر ایک مسلمان یہ بھی جانتا تھا کہ جو بھی محبت و مودت اہلبیتؑ پر ایمان رکھتا ہے، اس پر ان کی محبت و ولایت فرض ہے۔ اسکے علاوہ صاحبان علم و سالکان خیر آپ کو ایک عظیم امام، بے مثل عالم اور منفرد معلم و مربی کی حیثیت سے بھی دیکھتے تھے۔ صاحبان حکومت و سیاست او عوامی لیڈر (خصوصاً اموی حکومت کے خلاف عباسی انقلاب کے ابتدائی دور میں) نہ آپ کی شخصیت کو نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ ہی آپ سے کنارہ کشی اختیار کر سکتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں امام جعفر صادقؑ ایک عظیم الشان طاقتور شخصیت، زبردست سیاسی قوت اور قیادت امت کا ل ایک ایسا مرکزی نقطہ تھے جس کو نظر انداز کرنا ان لوگوں کیلئے ممکن نہ تھا اور یہ وہ حقائق ہیں جن سے نہ کوئی انکار کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی اہمیت میں کوئی کمی پیدا کر سکتا ہے۔

امامؑ کی سماجی حیثیت اور دوست و دشمن کے نزدیک آپ کی سیاسی منزلت کا اندازہ لگانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے اس عہد کا جائزہ لیں جس میں امام نے زندگی گزاری، واقعات کی تحلیل کریں، اقدامات کا جائزہ لیں اور امام کی ان بحثوں، شہادتوں، مراسلات و گفتگو اور عمومی نظریات کا تجزیہ کریں جو امامؑ کی زندگی میں پیش آئے۔

امام جعفر صادقؑ کے دور امامت میں اموی حکومت اپنی زندگی کی آخری سانس لے رہی تھی ظلم و جور کا بازار گرم تھا اور شدت پسندانہ روش عروج پر تھی اور اس ظلم و ستم کے خلاف امت میں جذبہ انتقام بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے پرآشوب ماحول میں عوام الناس کی قیادت و رہبری کا مرکز اور محبوب شخصیت اہلبیتؑ ہی ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ اموی و عباسی حکومتوں کے خلاف ہونے والے انقلابات کی تاریخ بتاتی ہے) اسی وجہ سے اموی حکومت کیخلاف چلائی جانے تحریک اہلبیتؑ کے نام سے شروع ہوئی۔ ان تحریکوں کے قائد برسر عام اعلان کرتے تھے کہ ہم امامت و خلافت کو اس کے شرعی حقدار یعنی اہلبیتؑ تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

یہ قائدین عوام الناس کو اس انداز سے متوجہ کرتے تھے کہ ہم تم کو رضائے آل محمدؐ کی طرف دعوت دے رہے ہیں یعنی حضرت فاطمہؑ کی اولاد سے امامت و خلافت کا جو شخص مستحق ہے اس کیلئے یہ تحریک چلا رہے ہیں مگر ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ ہم نے یہ دیکھا کہ زبردست مقابلہ آرائی اور وقفے وقفے سے رونما ہونے والے واقعات و حوادث کے باوجود امام جعفر صادقؑ ان معرکوں سے اپنے آپ کو بہت دور رکھتے ہیں اور ایسی کھلم کھلا مقابلہ آرائی سے کنارہ کش رہتے ہیں، کیونکہ ان رونما ہونے والے واقعات کے نتائج سے آپ کما حقہ واقف تھے۔

بے شک آپؑ جانتے تھے کہ یہ تحریک یا تحریکیں، یہ اُٹھنے والی آوازیں، بلند ہونے والے پرچم صرف اور صرف دھوکہ ہیں۔ آپؑ جانتے تھے کہ آج جو آوازیں ہمارے حق میں اُٹھائی جا رہی ہیں ان میں ان لوگوں کے مقاصد پوشیدہ ہیں اور اصل ہدف کچھ اور ہی ہے۔ آج ان کی آواز میں آواز ملانے کا

یہ نتیجہ ہوگا کہ اہلبیتؑ بھی ان کی سازشوں کی بھینٹ چڑھ جائیں۔

بے شک آپؑ صادق العلم تھے اور اپنے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات کے نتائج سے بھی واقف تھے، اسی لئے آپؑ اس انقلابی سیلاب میں بہنے سے رکے رہے اور اس کے نتائج سے اپنے پیروکاروں کو آگاہ بھی کرتے رہتے تھے۔ بیشک آپؑ کی پیشین گوئیاں سچ نکلیں اور جن حوادث و واقعات کے باوجود ہم یہ یہ ملتا ہے کہ اس سیاسی سیلاب کا بہاؤ آپ کی ہی طرف رہا، لوگوں کی آنکھیں آپ ہی کی طرف لگی رہیں اور یہ کسی سیاسی لیڈر کے بس کی بات نہ تھی کہ آپؑ کے مقام کو نظر انداز کرے یا آپؑ کے اس مرکزی کردار کو پس پشت ڈال دے۔

اس وجہ سے تمام قائدین یہی ظاہر کرتے تھے کہ آپؑ انہی کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہماری اس تحریک میں امامؑ ہی کا ہاتھ ہے (گویا ہم جو کچھ کر رہے ہیں صرف امامؑ کیلئے کر رہے ہیں)۔

اموی حکومت کے خلاف چلائی جانے والی تحریک کے ایک سرگرم لیڈر ابوسلمہ الخلال امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں خط بھیجتے ہیں جس میں آپؑ کی بیعت کی پیشکش کی جاتی ہے مگر امام جعفر صادقؑ اس خط کو جلا دیتے اور بار بار ہونے والے مطالبے کو ہر بار ٹھکرا دیتے، اس کے علاوہ آپؑ اپنے علوی رشتہ داروں کی طرف سے ہونے والے مکر و خلافت کے تقاضوں اور مشوروں کو بھی رد کر دیتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ امامؑ کے اردگرد کے یہ حالات و صورت حال آپ کی سیاسی منزلت اور سماجی مقام کو واضح کرتی ہیں۔

خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور، امامؑ سے شدید قسم کا برتاؤ کرتا ہے اور امامؑ کو مستقل تکلیفیں دے کر اپنے پاس بلاتا ہے اور پھر ان سے سوال و جواب کرتا ہے اور اس کی وجہ سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے خلاف ہونے والے تمام اقدامات کا دارومدار انہی کی ذات پر ہے اور عباسی حکومت کی مخالفت میں برپا ہونے والے تمام تر انقلابات میں خفیہ طور پر انہی کا ہاتھ ہوتا ہے لیکن اس محاکمہ کے بعد امامؑ کی عظمت و جلالت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ جس کا واضح اظہار وہ علویوں کی انقلابی شخصیت صاحب نفس زکیہ محمد عبداللہ بن حسن کے اس خط کے جواب میں کرتا ہے، جس میں انہوں نے منصور کے پاس اپنی فضیلت اور اہلبیت خلافت کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ انہیں قرابت رسول خداؐ اور نسبت فاطمہ زہراؑ کے سبب اس پر برتری حاصل ہے۔

منصور انہیں اس خط کے جواب میں لکھتا ہے

"تمہارے باپ کی طرف سے رشتہ داروں میں نہ کوئی صاحب فضیلت ہے نہ صاحب خیر، ہاں! تمہارے ننھیالی رشتہ داروں میں ایسے لوگ ہیں، اور ان میں بھی رسول اللہؐ کی وفات کے بعد علی بن الحسینؑ سے بہتر کوئی نہیں ہے، اور وہ تمہارے ننھیالی عزیز ہیں۔ انہیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ تمہارے نانا حسن بن حسینؑ سے بہتر ہیں۔ اگر تم میں ان کے بعد کوئی ہے تو وہ محمد بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) ہیں جو تمہارے ننھیالی عزیز ہیں اور وہ تمہارے باپ سے بھی بہتر ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے فرزند جعفر (یعنی امام جعفر صادقؑ) کا کوئی مثل نہیں ہے اور وہ بھی تمہارے نانہالی عزیز ہیں، اور تم سے بہتر ہیں۔

اس کے علاوہ اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں" میں ایک دن ابوجعفر منصور کے پاس پہنچا تو اس کی یہ حالت تھی کہ گریہ کرتے کرتے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی، اس نے مجھ سے کہا !تمہیں نہیں معلوم، تمہارے خاندان پر کون سی مصیبت پڑی ہے؟ میں نے پوچھا: اے امیر المومنین وہ مصیبت کیا ہے؟ تو اس نے کہا: بے شک وہ سید و سردار، عالم اور نیکوں کے وارث تھے جن کی وفات ہوگئی، میں نے سوال کیا : اے امیر وہ کون؟ اس نے کہا! جعفر بن محمد صلواۃ اللہ علیہ وعلیہم اجمعین

اس طرح ہم حالات کی روح اور تاریخ کے شواہد کے ذریعہ امام عالی مقام کی سیاسی و سماجی عظمت و منزلت کا اندازہ کرتے ہیں جن میں تمام سماجی سر بلندی سموئی ہوتی تھیں اور جو اپنے عہد میں عظمت و رفعت کے مرکزی نقطہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

آپؑ کے زمانہ کے سیاسی حالات:۔

انسانی معاشرے کی پوری تاریخ میں سب سے اہم چیز" سیاسی حالات" ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہی بدلتے رہتے ہیں۔ اس کے ہمیشہ بدلتے رہنے کا راز حاکم اور محکوم کے تعلقات، بادشاہ اور حاکم کی طبیعت اور اس کی رفتار اور اس کا سلوک جو امن انسانی، اس کی سطح زندگی، اس کے عقائد، طرز حیات، علمی اور ادبی حالات کی اہمیت اور نفسیاتی وقار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور یہی اسباب سیاسی حالات کی اہمیت اور سماجی زندگی میں اس پائیداری و استحکام کا راز ہوتی ہیں کہ جس قدر سماج کی ثقافتی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی اور اس کے سلسلے میں سیاسی اقدامات گہرے اور مستحکم ہونگے اتنی ہی سیاست بھی پر امن ہوگی اور نقصان سے محفوظ رہے گی اور اتنے ہی حکام و سلاطین کے ہاتھ مضبوط رہیں گے۔

اُمت اسلامیہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں اس کی چھ صدیوں کے اموی اور عباسی دونوں زمانوں میں ہونے والی شورشوں، ثقافتی اتھل پتھل، رنج و خوشی، انقلابات اور تحریکوں سے جو درس حاصل ہوتا ہے اس کے بنیادی تین عناصر ہیں جن کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

۱) تمام علمی ،ثقافتی ،اعتقادی و سیاسی میدانوں میں قوت و استحکام اور ظلم و ستم کے مقابلے میں انسانی آزادی اور اس کی عظمت کا بنیادی عنصر اسلام کی قوت و طاقت تھا۔

۲) حکام و سلاطین کا اسلامی حکام سے انحراف اور دوری اور حکام کا امت سے گھناؤنا برتاؤ (علاوہ عمر بن عبد العزیز کی حکومت کے مختصر زمانے کے جب بنی امیہ کے اس خلیفہ نے اسلامی امت پر ہونے والی سختیوں اور مشکلات کا حل چاہا اور سیاسی روش کو تبدیل کرنا چاہا تھا کہ جس میں وہ بھی کامیاب نہ ہوسکا)۔

۳) ان دونوں ادوار میں امت اسلامیہ کی روش ظاہر و روشن رہی اور اسلام سے منحرف حکام کے خلاف قیام کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہا۔ امت کی مرکزی قیادت و رہبری کے سلسلے میں اہلبیتؑ کے گھرانے کا بہت اہم کردار رہا اور امت کی جانب سے انہیں شدید حمایت حاصل تھی اور یہی حمایت اور مرکزیت ہی اہلبیتؑ پر ہونے والے مصائب ،شدائد اور مشکلات (جو امویوں اور عباسیوں کی طرف سے ان پر ہوئے) کا تنہا سبب تھی۔

امام جعفر صادقؑ کے عہد زندگی میں یہ تینوں عناصر پورے طریقہ سے ظاہر اور موجود تھے۔ پس امامؑ نے اپنی زندگی کے تقریباً چالیس برس امویوں کی حکومت کے زمانے میں گزارے جس میں اس حکومت کی جانب سے امت اسلامیہ پر ہونے والے مظالم و مصائب کا بالعموم اور علیؑ و فاطمہؑ کے دو ستداروں پر ٹوٹنے والے مصائب کے پہاڑوں کا بہت ہی قریب سے جائزہ لیا اور ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے رہے۔

امام جعفر صادقؑ عبد الملک بن مروان بن حکم کے زمانے میں پیدا ہوئے اور آپؑ اس کے بعد ولید بن عبد الملک سلیمان بن عبد الملک ،عمر بن عبد العزیز ،ولید بن یزید بن ولید ،ابراہیم بن ولید اور مروان الحمار یہاں تک کہ اموی حکومت کے زوال ۱۳۲ھ کے دور دیکھتے رہے۔ پھر جب خلافت بنو عباس کے پاس پہنچی تو امام جعفر صادقؑ نے ان کے خلفاء میں سے ابو العباس السفاح اور اس کے بعد ابو جعفر المنصور کی حکومت کا بھی کچھ دور دیکھا جو تقریباً دس سال پر مبنی تھا۔ ان تمام ادوار میں امامؑ نے امت اسلامیہ پر ہونے والے مصائب و آلام اور مشکلات کا مشاہدہ کیا لیکن آپ نے ان ادوار میں سے کسی میں بھی قیام نہ کیا آپ کے قیام نہ کرنے کے متعدد اسباب ہیں جن میں اہم اسباب یہ ہیں۔

۱) امامؑ اس پورے عرصے میں چونکہ نمائندہ اہلبیتؑ ،عظیم علمی و اجتماعی شخصیت اور مسلمانوں کی نگاہوں کے محور تھے جس کے سبب اموی و عباسی حکومتوں کی دشمنی کا نشانہ بنے اور ان کے جاسوسوں کے زیر نظر تھے جو ان کی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔

۲) امامؑ کی نظروں میں امت اسلامیہ کے درمیان اہلبیتؑ کی قیادت اور اموی حکام کے خلاف حضرت علیؑ ،امام حسنؑ اور پھر انقلاب و قیام امام حسینؑ اور ان کے بعد زید بن علیؑ کے انقلاب کی پوری تاریخ کا تجربہ تھا۔ ان تمام انقلابات میں عوام نے ان کے اعلیٰ مقام کا پاس نہ رکھا اور ان کا صحیح ساتھ نہ دیا جس پر اہلبیتؑ عمل کرنا چاہتے تھے۔ پس امامؑ کو ان تمام مجاہدات میں دیئے جانے والے فریب دھوکہ اور رشوت خوری وغیرہ کا باقاعدہ اندازہ تھا۔

۳) امامؑ یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے دشمن حکومت کے حصول کیلئے اپنی پیروی و اتباع کرانے میں ہر ممکن حد تک جاسکتے ہیں اور یہی عوام اور اہلبیتؑ کی قیادت میں ہونے والے قیام اور معرکوں میں وہ فکری خلیج اور ذہنی دوری تھی جس کی بنا پر امامؑ قیام نہ کرسکے۔

۴) امامؑ نے ہر اُس سیاسی روش کو نظر انداز کیا اور لوگوں کی نظروں سے دور رہ کر اُس روش کو اپنایا اور جو علمی اور فکری اعتبار سے اپنے اندر روح انقلاب اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرسکے۔

۵) امامؑ نے علماء ،مبلغین بلکہ ظالم حکام کے مقابلے میں عام لوگوں کی اپنے انداز سے تربیت فرمائی۔ ان میں اعتقاد ،سیاست ،احکام ،فقہ میں غور و فکر اور علوم و اساس شریعت کو اجاگر کیا جس کے ذریعے وہ دشمن کا مقابلہ کرسکے۔

امامؑ کی زندگی کے اس حصہ میں ملت اسلامیہ خصوصا امامؑ پر سخت ترین حادثات گزرے جو درج ذیل ہیں

۱) جناب زیدؒ کا قیام ۱۲۱ھ:۔

جناب زیدؒ امام جعفر صادقؑ کے چچا امام علی بن الحسینؑ کے فرزند ،آل رسولؐ کی برجستہ شخصیت کے فقہاء اہلبیتؑ میں تھے۔ آپؒ نے اموی حکام کی طرف سے بے پناہ مصائب ،مشکلات اور اذیتوں کا سامنا کیا جس کی بنا پر ان کی انقلابی روح نے دفاع کا تہیہ کیا ،ان کی نظر میں بنو امیہ سے کلام کا واحد راستہ تلوار اور طاقت تھی لہٰذا آپؒ نے اموی حاکم ہشام بن عبد الملک کے خلاف ۱۲۱ھ میں مسلح قیام کیا۔ مظلوم اور پسماندگان کی قیادت کی یہ جناب زیدؒ کے بھائی امام محمد باقرؑ کی امامت کا زمانہ تھا اور امام جعفر صادقؑ کی عمر مبارک 38 سال تھی۔ اس قیام کے نتیجے میں حکام کی طرف سے اس قدر ظلم و ستم ،فساد اور تکبرانہ ردعمل کا اظہار ہوا جسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

سید ہاشم معروف الحسینی ،جہشیاری سے نقل کرتے ہیں "امویوں نے بہت

زیادہ ٹیکس واجب کر دیئے تھے جیسے صنعتوں، حرفتوں، شادی اور اشیاء کی لکھائی پڑھائی پر بھی ٹیکس دینا ضروری کر دیا تھا اور یہ وہ ٹیکس جو ساسانی حکومت کی طرف سے نوروز کے ہدیہ کے نام پر ملتا تھا اسے بھی لاگو کر دیا تھا جس کا سب سے پہلے معاویہ نے مطالبہ کیا تھا اور نوروز کے موقع پر شہر والوں پر ضروری کیا تھا جسے ہرات کے دہقان نے اسد بن عبداللہ قسری کو جو ہرات میں ہشام بن عبدالملک کا عامل تھا نے مہرگان (پارسیوں کی عید) کے ہدیہ کے طور پر ادا کیا اور جس کی مقدار دس لاکھ تھی"۔

عبدالملک نے اپنا ایک عامل حجاز بھیجا کہ وہاں کے سرداروں کا شمار کرے ،لوگوں کی درآمدات کا حساب کرے اور ان کے ضروری اخراجات چھوڑ کر پورا مال لے لے۔ پس عامل نے حسابات کے بعد سب کچھ لے لیا جس کے نتیجے میں ہر فرد پر چار دینار واجب الادا قرار پائے۔ یہ اقتصادی صورتحال، اسلامی اصول اقتصاد اور اس کے عادلانہ نظام کے خلاف دولت کی وہ تقسیم تھی جو سیاسی ظلم و جور، قتل و غارت گری کے علاوہ تھی۔

یہ ان اسباب میں سے ایک سبب تھا جس کی بنا پر جناب زید بن علیؑ نے انقلاب برپا کیا اور انقلاب کیلئے کوفہ کو اختیار کیا اور جس کا سلسلہ دس مہینوں سے زیادہ جاری رہا، انہوں نے اپنے نمائندے دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجے۔ شیعہ اور غیر شیعہ لوگوں نے ان کا استقبال کیا صرف کوفہ میں ان کے گرد اکٹھے ہونے والوں کی تعداد 15 ہزار تھی۔ مدائن، بصرہ، واسط، موصل ،خراسان، رے اور گرگان میں پذیرائی اس کے علاوہ تھی۔ ہر غور کرنے والا تاریخ کے ان سیاسی حالات سے اموی حکومت کے ذریعے امت اسلامی پر ہونے والے مظالم کا اندازہ کر سکتا ہے جنہوں نے امت کے تمام علاقوں سے روح انقلاب کو اس حد تک دبا رکھا تھا جس کی وجہ سے فطری اور طبیعی طور پر عدل و انصاف کا برداشت نہ کر پانا اور اس کا منفی ردعمل ہونا لازمی تھا۔

۲) اموی حکومت کا زوال ۱۳۲ھ:۔

امام کے عہد امامت میں دوسرا اہم ترین حادثہ بنو امیہ کی حکومت کا زوال اور بنو عباس کی حکومت کا قیام تھا جنہوں نے بظاہر بنو امیہ کے خلاف انقلاب برپا کرنے میں اپنا نعرہ اہلبیتؑ کی محبت اور نصرت رکھا تھا لیکن در پردہ ان کا مقصد حکومت حاصل کرنا تھا۔ ابتدا میں شورش کا سرغنہ ابراہیم بن عباسی تھا مگر اس کے قتل کے بعد اس کا بھائی ابوالعباس عبداللہ بن محمد عباسی نے حکومت سنبھالی۔ بنو عباس نے حکومت پر قابض ہونے کے بعد اہلبیتؑ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی جس کے بعد محبان علیؑ پر مظالم کی انتہا کر دی گئی یہاں تک کہ بنو عباس کا پہلا خلیفہ اسی قتل و غارت گری کی بنا پر سفاح (خونریز) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ امامؑ ان شدید ترین مصائب کا شکار ہوئے اور آپ پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔

ابو جعفر منصور نے بہت کوشش کی کہ امامؑ کا رجحان اپنی جانب موڑ لے لیکن وہ ہمیشہ ناکام رہا کیونکہ امامؑ کے تمام تر اقدامات عباسی حکومت کے خلاف تھے جسے وہ جانتا تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ امامؑ کے اقدامات، مسلمانوں کے حق میں حکم شرعی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان سے حکومت کا پردہ فاش ہوتا ہے جس کے سبب عوام میں اس کی شخصیت کمزور ہو رہی ہے۔ اس پر شریعت کا چڑھا ہوا غلاف اتر رہا ہے اور اس کے زوال کی فضاء ہموار ہو رہی ہے اور امامؑ کا اُٹھایا ہوا یہ قدم ہمیشہ ظالم حکومتوں کے خلاف علماء و مفکرین کا صحیح طریقہ کار رہا ہے۔ اسی بنا پر امام جعفر صادقؑ کو خط لکھتا ہے جس میں آپؑ کا حقیقی قرب اور آپؑ کی دوستی چاہتا ہے، لکھتا ہے: آپ جس طرح لوگوں کے قریب ہیں اس طرح ہم سے کیوں نہیں قریب ہوتے؟ تو امامؑ جواب میں لکھتے ہیں"تم ہم سے جس سلسلے میں گھبرایا ہے، ہم وہ نہیں کریں گے اور تیرے پاس آخرت کے سلسلے میں کچھ نہیں ہے جس کیلئے ہم تجھ سے امید کریں اور نہ تیرے پاس کوئی ایسی نعمت ہے جس پر تجھ کو مبارک باد کہیں اور نہ تجھ سے کوئی سختی اور برائی دیکھتے ہیں کہ جس پر تجھ کو تعزیت کہیں"۔ پھر منصور لکھتا ہے: آپ میرے پاس آئیں تاکہ ہمیں نصیحت کریں۔ تو امامؑ جواب دیتے ہیں" جو دنیا کا طلبگار ہے، وہ تجھے نصیحت نہیں کرے گا اور جو آخرت چاہتا ہے وہ تیری ہم نشینی اختیار نہیں کرے گا"۔

امامؑ کے اس جواب سے ابو جعفر منصور کے غصہ میں اور اضافہ ہو گیا اور وہ آپؑ کی محبوبیت سے مزید ڈرنے لگا اور امام جعفر صادقؑ کے اقدامات سے حیرت زدہ اور عاجز رہنے لگا، یہاں تک کہ وہ امامؑ کے سلسلے میں کہتا ہے کہ" یہ خلفاء کے گلے کی ایسی ہڈی ہیں جس سے انکار ممکن نہیں ہے اور نہ ہی انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔ اے کاش! اگر ہم اور وہ ایک شجرے سے ہوتے جس کی اصل پاکیزہ، ٹہنیاں تناور، پھل میٹھے اور نسل میں برکت ہوتی، تب میری عقل میں وہ پاکیزگی ہوتی جس کی تعریف نہ ہو سکتی، نہ جانے کیوں یہ ہم سے اس قدر نالاں اور ہمارے بارے میں اتنا بدبین ہیں"۔

۳) انقلاب محمد بن عبداللہ بن حسن (نفس زکیہ) ۱۴۵ھ:۔

امام جعفر صادقؑ کے دور امامت میں تیسرا اہم ترین حادثہ محمد نفس زکیہ کا انقلاب تھا جو ابو جعفر منصور کے عہد حکومت میں برپا ہوا، ابو جعفر منصور پہلے حکام کے مقابلے میں اہلبیتؑ سے بڑھ کر بغض و عداوت رکھتا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ نفس زکیہ نے حق بات کی دعوت دی اور انہوں نے اپنے باپ چچاؤں اور ان کے اہل خاندان کا سہارا لے کر مدینہ میں انقلاب کا اعلان کیا جو ناکام ہو گیا اور محمد کو قتل کر دیا گیا ان کے بعد اُن کے بیٹے علی کو مصر میں اور عبداللہ کو سندھ میں قتل کر دیا گیا، یمن میں ان کے بیٹے حسن گرفتار ہو گیا اور انہیں قید میں موت آ گئی، مغرب میں اُن کے بھائی کو دھوکے سے زہر دے

دیا گیا دوسرے بھائی یحییٰ نے بصرہ میں انقلاب کا اعلان کیا، انصار کو لے کر کوفہ کا رخ کیا لیکن راستے میں قتل ہو گے۔

یہ وہ بدترین سیاسی حالات تھے جن میں امامؑ نے زندگی گزاری جس کی فضا دشمنی، عداوت، ظلم اور جاسوسی سے بھری ہوئی لیکن ان حالات میں بھی اپنی حکمت الٰہیہ اور عزم مصمم کے ذریعے تبلیغی فرائض سرانجام دیتے رہے اور علم و معرفت کی تعلیم کے ذریعہ علماء وفقہاء اور متکلمین کی نسلوں کی تربیت کرتے رہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی منزلت:۔

امامؑ کا زمانہ ایک لحاظ سے اسلام افکار، علوم اور ثقافت کی ترقی اور دوسری طرف سے عوامی تہذیب وافکار اور دوسرے معارف کی برتری اور عروج میں دوسرے زمانوں سے امتیاز رکھتا ہے۔ آپؑ ہی کے زمانے میں دوسری زبانوں کے علوم و معارف اور فلسفوں کے عربی زبان میں ترجمہ کا عروج تھا اور مسلمانوں نے ان علوم و معارف کے استقبال کے ساتھ ساتھ اس میں غوروفکر کی اور ان کے اصولوں میں دقت اور ان کے دائروں میں وسعت بھی پیدا کی، جس کے سبب اسلامی معاشرے میں علمی وفکری تحریک ترقی پذیر ہوئی اور علمی افکار میں اضافہ ہوا۔ مسلمان علوم طب، نجوم، کمیسٹری ،فزکس اور ریاضیات جیسے علوم و معارف کے حصول میں مشغول ہوئے، اسی زمانے میں فلسفہ، منطق اور تفکر کے اصول یونانی اور فارسی زبان سے عربی میں منتقل ہوئے اور مسلمانوں میں فلسفے کی نئی راہیں ہموار ہوئیں۔ طبیعی طور پر یہ ثقافتی جدوجہد بھی ردعمل سے محفوظ نہ رہ سکی اور اسلامی عقائد وافکار میں انحرافات پیدا ہوئے۔ جس کے سبب مسلم معاشرے میں شک والحاد پیدا ہوا اور نئے اور نادر قسم کے علمی اعتقادی نظریات کو لے کر اعتقادی فرقے اور مذاہب وجود میں آئے جو طویل علمی اور اعتقادی ٹکراؤ کے بعد معاشرے میں اپنا وجود تسلیم کرانے میں کامیاب ہو گئے حالانکہ ان کا کھوٹا پن اور ضعف بھی ظاہر ہو گیا۔ اگرچہ امام جعفر صادقؑ کے عہد کی اس علمی وثقافتی ترقی اور وسعت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس دور میں اسلامی معاشرہ نہایت درجہ ترقیوں اور عروج سے ہمکنار ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ ہم اس دور میں ایسے بہت سے حوادث وواقعات اور سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی مشکلات دیکھتے ہیں جن میں شریعت کی رائے اور حکم مذہب کی احتیاج درپیش ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں فقہی مکاتب وآراء پیدا ہوتے ہیں اور علماء فقہ واجتہاد نمودار ہوتے ہیں۔

مکتب امام صادق علیہ السلام:۔

اب ہم یہاں پر امام جعفر صادقؑ کے مکتب کے سلسلے میں گفتگو کر رہے ہیں تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ امامؑ کوئی مجتہد نہیں تھے یا اجتہاد کر کے صاحب رائے نہیں ہو گئے تھے بلکہ آپؑ راہ ہدایت کے تکمیل کنندہ اور آثار اہلبیتؑ کے راوی تھے اور انہی سے حاصل کیئے ہوئے علوم پر اعتماد کرتے ہوئے مسلمانوں کی مشکلات کے حل پیش کرتے تھے، لہٰذا آپ کا مکتب اور آپؑ کا راستہ سنت نبویؐ کی تکمیل، وحی قرآنی کا انکشاف اور اس کے مضامین کے اظہار کا ذریعہ تھا۔ چونکہ امامؑ کے زمانے میں بہت سے فقہی اور اعتقادی مکاتب وجود میں آئے تھے لہٰذا ان کے مقابلے میں امامؑ کا موقف، ان غلط نظریات پر بند باندھنا اور ان پر علمی اور حقیقی شریعت کی رو سے تنقید کرنا تھا۔

ارشادات وہدایات:۔

"جو لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو قرار دے کر انصاف کرتا ہے اسی کو دوسرے اپنے لئے قاضی قرار دیتے ہیں"۔ "بے شک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہی کرے جس میں تین صفات ہوں: جس بات کا حکم دے یا جس سے منع کرے اسے جانتا ہو، جس بات کا حکم دے یا جس سے منع کرے اس میں انصاف کرتا ہو جسے حکم دے یا جسے منع کرے اس پر مہربان ہو"۔ جہاد (سعی وکوشش) واجبات کے بعد سب سے بافضیلت شئے ہے

رسول اللہؐ سے نقل کرتے ہیں "کوشش کرو کہ اپنے بیٹوں میں بزرگی وعظمت چھوڑ کر جاؤ"۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اللہ کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں، پس جس نے ان دونوں کی نصرت ومدد کی، اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جس نے ان دونوں کو رسوا کیا اللہ اسے ذلیل کرتا ہے"۔ آپؑ فرماتے ہیں "اللہ کی مخلوق میں سے کسی کی رضا کی خاطر اللہ کو ناراض نہ کرو اور اللہ سے دور ہو کر بندوں کا قرب حاصل نہ کرو"۔ "اپنے والدین سے نیکی کرو تاکہ تمہاری اولاد تم سے نیکی سے پیش آئے اور عورتوں پر نگاہ نہ کرو تاکہ تمہاری عورتوں پر نگاہ نہ کی جائے"۔ "مومن میں آٹھ خصلتیں ہونا ضروری ہیں: سختیوں اور پریشانیوں میں وقار وسکون سے کام لے، مصیبتوں پر صبر کرے، مشکلات میں شکر کرنے والا ہو، اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر قناعت کرنے والا ہو، دشمنوں پر ظلم نہ کرے، دوستوں پر سختی نہ کرے، اس کا جسم مشقتوں میں ہو، لوگ اس کے وجود سے راحت محسوس کریں"۔ "اللہ کی معرفت اور اس کی بارگاہ میں تواضع بہترین عبادت ہے"۔ "میرا بہترین بھائی (دوست) وہ ہے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے"۔

ابی عمر شیبانی کہتے ہیں! میں نے امامؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں ایک بوری میں پتھر ہیں جس سے آپ دیوار درست کر رہے ہیں اور آپ کی پشت سے پسینہ بہہ رہا ہے، میں نے کہا: قربان جاؤں، مجھے دے دیجئے، کہ آپ پر سے بوجھ کم ہو جائے (میں آپ کی مدد کروں)، تو فرمایا: مجھے یہ بات پسند ہے کہ انسان طلب

معاش میں سورج کی گرمی میں اذیت برداشت کرے"۔
سفیان ثوری کہتے ہیں! میں امامؑ کے پاس پہنچا اور آپؑ سے کہا مجھے کچھ نصیحت فرمائیے جو میں آپؑ کے بعد یاد رکھوں، تو آپؑ نے فرمایا! اے سفیان یاد رکھو گے؟ میں نے کہا: ضرور اے بنت رسول اللہؐ کے فرزند، فرمایا"اے سفیان جھوٹوں کیلئے مروت (نیکی، رحمدلی)، حاسد کیلئے راحت، رنجیدہ سے بھائی چارگی، فریب کرنے والے سے دوستی اور برے اخلاق والے کے نصیب میں سرداری کبھی نہیں ہے"۔ پھر اس کے بعد آپؑ خاموش ہوگئے تو میں نے کہا اے دختر رسول اللہ کے فرزند کچھ اضافہ فرمائیے تو آپؑ نے فرمایا"اے سفیان! اللہ پر بھروسہ کرو تا کہ اس کے عالم اور عارف ہو جاؤ، اس کی تقسیم پر راضی رہو تا کہ وہ تمہیں غنی کر دے، لوگوں سے ویسے ہی دوستی و ہم نشینی کرو جیسے وہ تم سے دوستی کریں تا کہ تمہارے ایمان میں اضافہ ہو اور فاسق و فاجر لوگوں سے دوستی نہ کرو کہ وہ تمہیں فسق و فجور سکھائیں گے اور اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو خوف خدا رکھتے ہوں" پھر یہ کہہ کر آپؑ خاموش ہو گئے اور میں نے کہا اے امامؑ کچھ اور اضافہ فرمائیے، تو فرمایا"اے سفیان میرے والد گرامی نے مجھے تین باتوں کی تعلیم دی اور تین باتوں سے روکا وہ باتیں جن کی مجھے تعلیم دی وہ یہ ہیں کہ مجھ سے فرمایا! اے بیٹا جس نے بھی برے لوگوں سے دوستی کی وہ سالم نہ رہا، اور جس نے بھی اپنے کلام پر روک نہ لگائی وہ نادم ہوا اور جو بھی بری جگہوں پر گیا وہ تہمت سے محفوظ نہ رہا۔ اور وہ تین باتیں جن سے مجھے منع فرمایا وہ یہ ہیں، فرمایا! ان لوگوں کی دوستی سے جو نعمت ملنے پر حسد کریں، مصیبت پڑنے پر خوش ہوں اور معلوم ہونے پر چغل خوری کریں" چھ باتیں مومن میں نہ پائیں جائیں تنگدستی، محرومی، حسد، دشمنی، جھوٹ اور ظلم"۔

امام علیہ السلام کی شہادت:۔

امام جعفر صادقؑ کی شہادت شوال ۱۴۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ قبرستان جنت البقیع میں اپنے والد گرامی امام باقرؑ اور امام زین العابدینؑ، جدہ ماجدہ فاطمہ زہراؑ اور امام حسنؑ کے جوار میں دفن کیئے گئے۔ سلام ہو آپ کی روح طاہرہ پر، اس روز جس میں آپ کی شہادت ہوئی اور اس دن جب دوبارہ مبعوث کیئے جائیں گے اور مبارک ہو ان کو جنہوں نے آپ کی ہدایات حاصل کیں۔

☆☆☆☆☆☆

۷۔ حیا وانکساری:

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسولؐ کو پردہ نشیں کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا تھی آپؐ اگر کسی چیز سے نفرت کرتے تھے تو اس کا اندازہ آپؐ کے چہرہ سے ہو جاتا تھا۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے:
جب رسولؐ سے کسی چیز کا سوال کیا جاتا تھا اور آپ اسے پورا کرنیکا ارادہ کرتے تھے تو فرماتے تھے: ہاں اور اگر اسے انجام دینے کا قصد نہیں رکھتے تھے تو خاموش رہتے تھے، لیکن آپؐ کسی چیز کے بارے میں نہیں! نہیں کہتے تھے۔ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:
"اٰکلُ کما یا کل العبد و اَجلسُ کما یجلس العبد۔ فانما انا عبد۔": میں غلام کی طرح کھاتا ہوں اور غلام کی طرح بیٹھتا ہوں کیونکہ میں بھی ایک بندہ ہی ہوں۔ آپؐ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپؐ بچوں کو بھی سلام کرتے تھے۔ نبیؐ ایک شخص سے ہمکلام ہوئے تو وہ شخص آپ کے رعب سے تھرتھر کانپنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا:"ھوّن علیک فانی لست بملک انما انا ابن امرأۃ تاکل القدید۔"
گھبراؤ نہیں! میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو اس خاتون کا بیٹا ہوں جو روکھی سوکھی روٹی کھاتی تھی۔
ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسولؐ عصا ٹیکتے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے، ہم ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:
"لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضاً"
ایسے مت کھڑے ہوا کرو جیسے عجم والے ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔
اپنے اصحاب سے آپؐ مذاق کرتے تھے لیکن حق کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتے تھے، مسجد بنانے اور خندق کھدوانے میں آپؐ بھی اپنے اصحاب کے ساتھ کام کرتے تھے باوجودیکہ آپ عقلمند ترین انسان تھے پھر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔
آپ فرمایا کرتے تھے:"اللھم احیینی مسکیناً و توفّنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین و ان اشقیٰ الاشقیاء من اجتمع علیه فقر الدنیا و عذاب الاخرۃ۔"
اے اللہ! مجھے مسکین کی زندگی اور مسکین کی موت دینا اور مسکینوں کے ساتھ محشور کرنا اور بلا شبہ بدقسمت ترین شخص وہ ہے جو دنیا کے فقر اور آخرت کے عذاب کا ایک ساتھ شکار ہو۔
یہ تھیں آپؐ کی شخصیت کی بعض خوبیاں اور صفتیں، آپ کے فردی و اجتماعی سلوک کی چند جھلکیاں، آپؐ کی انتظامی، سیاسی، عسکری، اقتصادی اور اسیروں، قیدیوں سے متعلق بہت سی خوبیاں ایسی ہیں جن کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ان میں آپؐ کی تاسی کی جائے، ان سے درس لیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

حماس کی کارروائی، ایران اور مزاحمتی قوتوں کا کردار

ارشاد حسین ناصر

سات اکتوبر کے دن کیا عجیب منظر دیکھا گیا ایک ایسا منظر جسے دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں ہماری آنکھوں نے یہ دن بھی دیکھنا تھا یقین نہیں آ رہا تھا، اسرائیل قابض و غاصب دہشت گرد کے قلب میں ایسا زخم لگایا گیا کہ دنیا اس پہ حیرت ذدہ ہے کہ ایسا ہو کیسے گیا، کیا ایسا ممکن نظر آتا تھا، ہرگز نہیں اسرائیل کا خوف، اس کی ٹیکنالوجی، اس کے انتظامات، اس کی سختیاں اس کی فورسز، اس کی سفاکیت، اس کی بدمعاشی، اس کی جارحیت، اس کا تجاوز دنیا کے سامنے وہ ہر وہ کام کر چکا ہے اور بلا جھجک کرتا ہے اس سب کے باوجود حماس کا مقبوضہ اسرائیل میں داخل ہو کے اسے ناقابل تسخیر قرار دینے والوں، اس کا خوف دلانے والوں اس سے ماتھا نہ لگانے کے مشورے دینے والوں کو سوچنے پہ مجبور کر دیا کہ اگر خدا کیلئے قیام کیا جائے تو اس کی مدد شامل حال ہوتی ہے اور جہاں دشمن کا خوف جاتا رہتا ہے وہیں دشمن کے دل میں خوف بیٹھ جاتا ہے، اس دن ایسا ہی تو ہوا، ایسا خوف بیٹھا ہے کہ کوئی بھی غیر ملکی

وفد یا سربراہان آتے ہیں یا وزراء آتے ہیں تو خوف کی علامت سائرن بج اٹھتے ہیں، اور غیر ملکی وفود کی دوڑیں لگ جاتی ہیں، کہیں لیٹے نظر آتے ہیں تو کہیں بھاگ کر بنکرز میں جاتے دکھتے ہیں، جبکہ جن پہ زمین تنگ کر دی گئی ہے، جن پہ پانی بند کیا گیا ہے، جن کی فضا میں بارود کی بارش ہوتی ہے جو آگ و بارود کی بارش کا سامنا کر رہے ہیں ان کے چہروں پہ خوف نام کی کوئی چیز نہیں، کیا خوبصورت منظر تھا جب ایک فلسطینی نوجوان میڈیا کو کچھ انٹرویو دے رہا تھا اور نقاب پہنے ہوئے تھا اس کی ماں نے اس کا نقاب کھینچ دیا اور کہا کہ کھل کے بولو جو بولنا ہے، ایسی ماؤں کی بدولت ہی یہ مسئلہ آج تک زندہ ہے، اس سے بھی زیادہ خوبصورت منظر وہ لگا جس میں ایک اجڑے ہوئے گھر بلکہ بستی میں ایک بچہ اپنی سالگرہ کا کیٹ کاٹتا ہے اور پیغام دیتا ہے کہ تم ہماری بستیوں کا تاراج کر کے ہم پہ خوف کے پہرے نہیں بٹھا سکتے ہماری اصل خوشی اس دن ہو گی جب القدس شرف آزاد ہو گا، اسرائیل کا نجس وجود کا خاتمہ ہو گا، کتنا بڑا کلیجہ ہے اس باپ کا جو اسپتال میں اپنے دو بچوں کی شہادت پہ سب سے کہہ رہا ہے کہ اسے خوشی ہے کہ وہ شہداء کا باپ ہے، ان کو رونا نہیں ہے، شکر ادا کریں، جبکہ ان کے مقابل اسرائیلی جنہیں ابھی تک بہ ظاہر کوئی بڑی ضرب نہیں لگی ہے سات اکتوبر کے حملے کے بعد بھاگتے نظر آتے ہیں۔

سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا پہ بہت سے لوگ یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ حماس نے بہت بڑی غلطی کی ہے اسرائل جیسے سفاک درندہ کو موقعہ دیا ہے کہ وہ بے گناہ فلسطینیوں کا قتل عام کرے، اور ان کی بستیوں کو تاراج کرے، حماس نے عالمی سطح پہ اپنے حامیوں کو بھی کھو دیا ہے۔ عجیب لوگ

ہیں اسرائیل کی سفاکیت اہل فلسطین کیلئے قطعی نئی نہیں یعنی اس میں کچھ بھی نیا نہیں ہوا، نا ہونے جا رہا ہے، بلکہ اسرائیل کی سفاکیت، درندگی گذشتہ پچھتر برسوں میں ہر دن ایسے ہی رہی ہے، بے گناہ نہتے مرد و زن، بچوں، بڑوں، جوانوں، خواتین، جوان لڑکیوں کیساتھ اس کا سلوک نیز فلسطینی زمینوں پہ اس کی بنائی جانے والی نئی بستیوں، فلسطینیوں کے کھیت کھلیانوں کو اجاڑنے، آبائی گھروں کی مسماری کسی ایک دن بھی نہیں رکی، نا فقط اسرائیلی فورسز کی سرپرستی میں یہ کام ہوتا ہے بلکہ دنیا بھر سے لائے گئے یہودی آبادکاروں کو بھی مسلح تربیت، اسلحہ دے کے بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی چھوٹ دے رکھی ہے، اس سب پہ دنیا کے امن پسندوں، انسانی حقوق کے چیمپیئنز، امن محبت، سلامتی کے گیت گانے والوں پہ جوں تک نہیں رینگتی، نا ہی اقوام عالم اس ظلم پہ بولنے کی جراءت رکھتے ہیں، اوروں کو کیا کہا جائے مسلم حکمران اور بالخصوص عرب ممالک بھی کسی ظلم پہ بولنے سے قاصر اور گونگے بہرے، اندھے ہو جاتے ہیں، لہٰذا حماس کا یہ اقدام کسی بھی صورت غلط نہیں تھا بلکہ سوچا سمجھا منصوبہ اور ایک حکمت عملی تھی جس کے نتائج کی جانب سب ہی بڑھتے نظر آتے ہیں۔حماس نے اعلان کی اکہ اس نے اس حملے سے بہت بڑے بڑے اہداف حاصل کرلیے ہیں۔

حماس کے اس اقدام سے قبل تو اسرائیل کیساتھ نارملازیشن کا عمل چل رہا تھا، امارات، اومان کے بعد کئی دوسری عرب ریاستوں سے بھی اسرائیل کو تسلیم کرنے کی خبریں آنے کا انتظار کیا جا رہا تھا، ہمارے ملک میں بھی ایسی کمپین چل رہی تھی، یہاں سے بھی وفود جا کے دورے کر آئے ہیں، جو نارملائزیشن کا حصہ ہے، سب جانتے ہیں کہ اس ساری مہم کا سرغنہ سعودیہ ہے جو خود ابھی تک کھل کے یہ اقدام نہیں کر سکا، مگر اپنے زیر اثر ممالک و حکمرانوں سے یہ کام کروا رہا ہے، اس کام کی شروعات سابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے دور میں اس کے صیہونی داماد کشنر کی سربراہی میں شروع ہوئی تھیں جسے آج بھی عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے، حماس کی کارروائی اور اسرائیلی بڑھتے مظالم، بے گناہوں پہ کارپٹ، فاسفورس بمباری، اسپتالوں، تعلیمی اداروں، رہائیشی بستیوں، بازاروں پہ بلا جھجھک بمبارمنٹ اور انسانی المیوں کا وجود میں آنا اسرائیل کی طرف بڑھتے ہوئے دوستانہ تعلقات کو روکنے کا وقتی ذریعہ بنے ہیں۔

اسرائیل کے قبضہ کی اب تک کی تاریخ میں شاید ہی ایسا کوئی دن دنیا نے دیکھا ہو کہ ایک مزاحمتی تحریک کے ممبران اس طرح اپنی جانوں کی پروا کیے بغیر اتنی بڑی تعداد میں مقبوضہ علاقوں میں داخل ہو کے اسے نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہوں دو سو لوگوں کو اغوا کیا ہو اور اپنے ساتھ لے گئے ہوں، اس کامیابی کے بعد اسرائیل اتنا بوکھلایا ہوا ہے کہ اپنے نقصان کی شدت کو کم رنگ دکھانے کیلئے وحشیانہ حملے کر رہا ہے مگر ان حملوں سے اس کے اغوا کیے گیئے اعلی فوجی، سیکیورٹی و جاسوسی عہدیدار واپس ملنے والے نہیں، اور یہ بات رہبر معظم سید علی خامنہ ای نے کھل کے فرما دی ہے کہ ان وحشیانہ اور سفاکانہ عمل کے بعد مزاحمتی قوتوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے گا ،ان کا کہنا تھا کہ

؛اگر صیہونی حکومت کے جرائم جاری رہے تو مسلمانوں اور مزاحمتی قوتوں کو دفاعی کارروائیوں سے کوئی نہیں روک سکتا؛

اطلاعات کے مطابق حماس کے عسکری ترجمان ابوعبیدہ نے ایران اور حزب اللہ لبنان سے کھلی مدد طلب کی ہے، اس مدد طلب کرنے کا مطلب ہے کہ ایران اگر اس خطے میں وارد ہوتا ہے تو یہ مقامی نمائندہ طاقت اور قوت کی دعوت ہو گی جس کے بعد ایران کو عالمی سطح پہ اس طلب کے جواب میں کھلے عام مدد کرنے ،جیس اکہ ماضی قریب میں ایرانی فوجی مشیر کے طور پہ شام میں پہنچے تھے، ایسے ہی اب فلسطین یعنی اہل غزہ کی پکار پہ ایرانی فوجی مشیر مدد کر سکیں گے۔ایران کی مدد کیسے ہو گی، کون سی قوتیں ایران کیساتھ ہونگی؟

آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ جان لیں کہ دنیا کے نقشے پہ اسرائیل کا ناجائز ظہور و قیام ایک ایسا ظلم تھا جس نے اگلی دہائیوں میں ظلم کی مقدار و تعداد کو ہر گذرتے دن اور ساعت کے ساتھ بڑھا وا دیا، یہ ظلم گذشتہ پچھتر برس سے مسلسل اور منصوبہ بندی سے ہو رہا ہے، اس ظلم کے سامنے دنیا کے قوانین، انسانی

حقوق، عالمی پابندیاں، انسانی معیارات، اخلاقی پابندیاں، تاریخی حقائق

سب کچھ مات کھا چکے ہیں، ظاہری طور پہ ظلم کی جیت ہوئی ہے، ظاہری طور پہ اسرائیل کے ناجائز وجود میں وسعت پیدا ہوئی ہے، ظاہری طور پہ اس سرزمین کے اصل وارث فلسطینی قوم کو اپنی زمینوں، اپنے گھروں، اپنے آبائی کھیت کھلیانوں، اپنے مکانوں، اپنے مقدسات سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں، ظاہری طور پہ اسرائیل ایک طاقت کے طور پہ دنیا کے سامنے موجود ہے، ایک ایسی طاقت جس کی پیش رفت، ترقی، ٹیکنالوجی، اسلحہ کے انبار، ایٹمی ہتھیاروں اور اس کے جارحانہ رویوں سے اکثر ممالک اس کے سامنے سرنگوں ہیں، بالخصوص یورپ وامریکہ کی بھرپور سرپرستی نے اس کی اکڑ، اس کے تکبر، اس کے گھمنڈ، اس کی بدمعاشی کو کھل کھیلنے کا بھرپور موقعہ دیا ہے، اس کے مقابل اہل فلسطین جو مجبور ہو کے دنیا بھر میں مہاجر ہو کے زندگی گذارنے پہ مجبور کر دیے گئے ہیں، فلسطین کے ہمسائے ممالک بالخصوص اردن، مصر، لبنان، شام وغیرہ کے مہاجر کیمپوں میں برسوں سے زندگی گذار رہے ہیں، اپنے ساتھ اپنے آبائی گھروں کی چابیاں رکھتے ہیں کہ واپس آئیں گے۔

فلسطین میں ایک غزہ کی پٹی ہے ہے جس میں اسرائیل سے مزاحمت کرنے والوں، اس سے ٹکر لینے والوں جہاد کی شمع روشن رکھنے والوں، قربانیوں کی ان گنت داستانیں رقم کرنے والوں، اپنے جوان لٹانے والے والدین، اپنے کم سن شہید کروانے والے ماں باپ، اپنی زندگیاں اپنے وطن پہ قربان کرنے والے جوانان، اپنا جینا، مرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، الغرض سب کچھ القدس شریف کو نجس پنجوں سے نجات دلانے والے جذبوں سے سرشار فلسطینی جوانوں کی اکثریت موجود ہے، ویسے تو ان علاقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے گروہ موجود ہیں جو مختلف کارروائیاں کرتے رہتے ہیں ان میں اب جنین کے مجاہدین کا اضافہ ہوا ہے البتہ دو بڑی جماعتوں

حماس اور اسلامی جہاد سے تعلق رکھتے ہیں، اسلامی جہاد کا جہادی ونگ سرایا القدس ہے اور حماس کا جہادی ونگ القسام بریگیڈ، حماس کے پاس فلسطین کی وزارت عظمیٰ بھی رہی ہے، اسماعیل ہنیہ جو اس وقت حماس کے پولیٹیکل ونگ کے سربراہ ہیں فلسطین کے وزیر اعظم رہے، اگرچہ یہ ایک محدود قسم کے الیکشن اور اس کا نتیجہ تھا، مگر اس سے فلسطینیوں کے مائنڈ سیٹ کا اندازہ خوب ہوتا ہے کہ فلسطین کو عالمی قوتوں نے الفتح کے حوالے کر رکھا ہے مگر اس میں جب عوامی ووٹوں سے حکومت کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو حماس کو جیت ملی، یہ الگ بات کہ عالمی قوتوں اور ان کے مقامی سہولت کاروں نے اس حکومت کو چلنے ہی نہیں دیا تھا، حماس کی قوت کا انحصار شروع میں تو عرب ممالک تھے کہ یہ اخوان المسلمون کا مقامی ورژن سمجھی جاتی تھی، مگر وقت گذرنے کیساتھ ساتھ جس طرح اخوان المسلمون کو ختم کیا گیا یا اس کے نظریہ کو کمزور کیا گیا ایسے ہی "حماس" پہ بھی عرب ممالک بالخصوص جو ڈونرز تھے ان کے ذریعے پریشر بنایا گیا جس کا کسی حد تک اثر بھی ہوا مگر اس کے برعکس حماس کے روابط اسلامی جمہوری ایران اور لبنان کی مزاحمتی تحریک حزب اللہ کیساتھ بھی گہرے ہوتے گئے جو وقت گذرنے کیساتھ ساتھ مضبوط تر ہوئے، عمومی تاثر یہی ہے کہ اسلامی جمہوری ایران نے حماس کی بھرپور مدد اور ہر قسم کے تعاون کے بعد حماس کو عربوں سے دوری اور فنڈز کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا، حماس والے مزاحمت لبنان و ایران کی مدد و تعاون سے شام میں اپنے دفاتر اور دیگر ممالک میں آمد و رفت کا سلسلہ قائم کیے ہوئے تھے مگر اس تعلق و تعاون میں ایک ایسا زمانہ بھی آیا کہ جس نے حماس کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا۔

یہ وہ زمانہ ہے جب شام میں امریکہ، عرب ممالک، ترکی اور اسرائیل نے بہت طویل منصوبہ بندی کیساتھ دنیا بھر سے دہشت گرد اتارے جنہیں جمہوریت پسند کہا گیا جو بظاہر ایک ڈکٹیٹر حکومت کو تبدیل کرنے کے خواہش مند تھے، ان دہشت گردوں نام نہاد جمہوریت پسندوں نے پھر وہ تاریخ رقم کی جس کے ہر باب اور ہر ورق پہ بے گناہوں کے خون کی ہولی نظر آتی ہے، ہلاکو و چنگیز اور سفاکیت کے سب نام مات کھاتے دکھتے ہیں، شام نے اس سازش کا مقابلہ کیسے کیا یہ الگ ہی طویل داستان ہے ہاں ایسے مشکل اور کڑے وقت میں حماس نے شام سے اپنا بوریا بستر اٹھایا اور قطر منتقل ہو گئے، شام میں ان کا کام ایک جہادی و مزاحمتی قوت کے طور پہ ہو رہا تھا مگر قطر میں منتقل ہونے کے بعد فائیو سٹار ہوٹلز میں مزاحمتی قوتوں کی

نمائندوں کی رہائشیں اور آنا جانا کسی بھی طور پسندیدہ عمل نہیں تھا، اگر اصولی بات کہی جائے تو شام جیسے سیکیولر ملک پر اگر امریکی و مغربی استعمار نے عرب ممالک کیساتھ مل کے یلغار کی تھی تو اس کی کوئی دوسری وجہ نظر نہیں آتی ماسوائے یہ کہ شام اسرائیل کے خلاف مزاحمتی قوتوں اور قائدین کی پشتبانی کرتا نظر آتا تھا، ایسے میں شام کی حمایت کی جانا ضروری تھا مگر اس وقت حماس کے پولیٹیکل ونگ کے سربراہ خالد مشعل اور ان کی ٹیم نے شام کے خلاف محاذ سجانے والوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہی کہا، یہ سب گروہ حماس کے ہم فکر یعنی مکتبی طور پہ ہم مکتب تھے، حماس کی اس وقت کی قیادت نے جانتے بوجھتے، سمجھتے ہوئے اس سازش کے کرداروں پہ بات نہیں کی، ایسے میں پھر تعلقات کی وہ نوعیت اور درجہ برقرار رہنا ممکن نہیں تھا، اس کے باوجود حماس میں کچھ دیگر قائدین جن میں موجودہ سربراہ اسماعیل ہنیہ جیسے لوگوں نے سمجھداری دکھائی اور ایران و مقاومت لبنان کیساتھ تعلقات کی سرد مہری کو گرم جوشی میں تبدیل کرنے کا کردار ادا کیا، اس میں شہید القدس جنرل قاسم سلیمانی کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے جو بہ یک وقت قدس و شام، عراق و لبنان کے محاذوں پہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت امریکہ و اسرائیل کو مسلسل شکستوں سے دوچار کر رہے تھے اور ان کی دیئے چیلنجز سے نمٹ رہے تھے، عراق و شام میں داعش کی شکل میں جو سفاک گروہ مسلط کرنے کی کوششیں کی گئیں ان کے مقابلہ کیلئے حشد الشعبی کے نام سے مزاحمتی گروہوں کا ایک مضبوط نیٹ ورک بنایا جو آج بھی امریکہ

کے خلاف عراق میں برسرپیکار ہے اور آئے دن اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں (حالیہ کشیدگی میں اضافہ کی صورت میں ان مزاحمتی قوتوں کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہوگا) اسی دوران شام و عراق میں دہشت گردی کی طرح لبنان میں بھی پوری کوشش کی گئی کی حزب اللہ امریکی و اسرائیلی نمک خواروں اور کرائے کے کرداروں سے الجھ کے رہ جائے مگر حزب اللہ کی قیادت بہت کچھ سیکھ چکی ہے ایسے میں حزب اللہ نے لبنان کو داخلی محاذ میں تبدیل نہیں ہونے دیا اور شام میں اپنی موجودگی میں کمی نہیں ہونے دی، تاکہ شام کمزور نہ ہو، شام کی اہمیت جمہوری اسلامی ایران و عراق و لبنان کی مزاحمتی قوتوں کیلئے آج بھی ویسے ہی ہے جیسے آج سے دس برس پہلے تھی۔

یاد رہے شام کی سرحد اسرائیل کیساتھ ملتی ہے، شام کا کچھ علاقہ ابھی بھی اسرائیل کے قبضہ میں ہے، لبنان کی سرحد بھی اسرائیل کیساتھ ملتی ہے جس میں ایران کی القدس فورس اور عراق کی حشد الشعبی کے مجاہدین جن کے رگ و پے میں انقلاب کا خون دوڑتا ہے جو شہید سردار قاسم سلیمانی کی فکر اور نظریہ کے وارث ہیں کسی بھی بڑی جنگ میں اہم کردار کے طور پہ سامنے آئیں گے۔

عراق کی حشد الشعبی، عالمی قدس فورس، مزاحمت اسلامی لبنان کیساتھ ساتھ اس خطے میں لڑی جانے والی بڑی جنگ میں یمن کے انصار اللہ کا کردار بھی اہم ہوگا جو وسیع رینج کے حامل میزائل رکھتے ہیں اور وہاں سے آنے والی خبریں بھی بہت حوصلہ افزا ہیں، اہل یمن نے آل سعود اور ان کے نمک خواروں سے مسلسل جنگ کے ساتھ وسیع تجربات کر لیے ہیں جن کو اس خطے میں بھی آزمایا جا سکتا ہے۔ یمن نے بھرپور طرح سے فلسطینی بھائیوں کی مدد کا اعادہ کیا ہے اور بعض رپورٹس کے مطابق کچھ میزائل بھی امریکیوں پہ مارے ہیں جنہیں امریکہ نے فضا میں ہی تباہ کر دیا، یہ بھی ایک مثبت بات سامنے آئی ہے کہ لبنان میں سید حسن نصر اللہ کیساتھ فلسطین کی نمائندہ جہادی تحریکوں حماس اور جہاد اسلامی کے رہنماؤں نے ملاقات کی ہے جس میں موجودہ حالات، امکانات اور باہمی تعاون پہ بات کی گئی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ ساری مزاحمتی قوتیں رہبر معظم سید علی خامنہ ای کے ایک اشارے کی منتظر ہیں کہ رہبر کچھ حکم دیں، اور وہ اپنی جانوں کو فدا کرنے کیلئے القدس شریف کی آزادی کے خواب کی عملی تعبیر کے جہاد میں حصہ دار بن جائیں، نا فقط مزاحمتی قوتیں بلکہ عام عوام بھی اس جہاد میں شریک ہونے کیلئے بے قرار ہے۔۔ کیوں نہ ہوں بے قرار اتنے برسوں سے القدس کی آزادی کے شعار بلند کرتے جوان اگر اس موقعہ پہ خود کو اس جہاد کا حصہ نہ بنا سکیں تو پھر ان نعروں کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے لہذا ہم سب القدس کی آزادی کے شعار بلند کرتے اس میدان میں وارد ہونا چاہیں گے۔

☆☆☆☆☆

امریکہ غزہ کے بچوں کا قاتل کیوں؟

تحریر: سجاد مرادی

اگرچہ غاصب صیہونی رژیم نے طوفان الاقصی کے بعد دو ہفتے گزر جانے کے باوجود ابھی تک غزہ پر زمینی حملہ شروع نہیں کیا لیکن فضائی بمباری میں چار

ہزار سے زیادہ فلسطینی شہریوں کو شہید کر ڈالا ہے جن میں 1700 بچے بھی شامل ہیں۔ اس سے امریکہ سمیت اسرائیل کو اسلحہ فراہم کرنے والے ممالک کا کردار عیاں ہوتا ہے۔ جنگ کے پہلے ہفتے میں ہی اسرائیلی جنگی طیاروں نے غزہ پر 6 ہزار سے زیادہ بم برسا ڈالے تھے۔ ہالینڈ کے فوجی امور کے ماہر مارک گارلاسکو نے واشنگٹن پوسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ غزہ پر ایک ہفتے کے دوران برسائے گئے بموں کی تعداد افغانستان میں امریکہ کی ایک سال کی بمباری سے زیادہ ہے۔ دوسری طرف غزہ کی پٹی انتہائی گنجان آباد اور چھوٹا سا علاقہ ہے جس کا کل رقبہ صرف 360 مربع کلومیٹر ہے۔ درج ذیل وجوہات کی بنا پر ہم امریکہ کو غزہ میں شہید ہونے والے بچوں کا قاتل قرار دے سکتے ہیں۔

1)۔ غاصب صیہونی رژیم کا سب سے بڑا سیاسی حامی

1948ء میں اسرائیل نامی ناجائز ریاست کے قیام سے لے کر آج تک امریکہ اس کا سب سے بڑا سیاسی حامی رہا ہے۔ 1981ء سے 1989ء کے دوران امریکی صدر رونلڈ ریگن نے اسرائیل کو فراہم کی جانے والی مالی اور فوجی امداد میں بڑا اضافہ کر دیا۔ ریگن پہلا امریکی صدر تھا جس نے غاصب صیہونی رژیم کو امریکہ کا اسٹریٹجک اثاثہ قرار دیا۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ نے ہمیشہ فلسطینی اور صیہونی حکمرانوں کے درمیان ثالثی کا کردار ادا کرتے وقت صیہونی رژیم کے حق میں جانبداری کا ثبوت دیا ہے۔ جارج بش اسرائیل کا شدید حامی تھا اور اس نے 2002ء میں مسئلہ فلسطین کے حل کیلئے روڈ میپ پیش کیا۔ اوباما نے بھی ہمیشہ اسرائیل سے

گہری دوستی کا اظہار کیا۔ ڈونلڈ ٹرمپ نے صدی کی ڈیل نامی اہم منصوبہ پیش کیا۔

2)۔ غاصب صیہونی رژیم کو اسلحہ فراہم کرنے والا سب سے بڑا ملک

صیہونی رژیم مغربی ایشیا میں فوجی اخراجات کرنے والی سب سے بڑی

رژیم ہے۔ اسٹاک ہوم مرکز تحقیقات برائے امن نے اپریل 2023ء میں اپنی رپورٹ میں بیان کیا کہ صیہونی رژیم نے 2022ء میں اپنی فوجی

سرگرمیوں پر 4.23 ارب ڈالر خرچ کئے ہیں۔ 2018ء سے 2022ء کے دوران اسرائیل نے بیرونی ممالک سے جو اسلحہ حاصل کیا اس کا 79 فیصد امریکہ، 20 فیصد جرمنی اور 2.0 فیصد اٹلی سے حاصل ہوا۔ اسرائیل امریکہ کا سب سے قریبی نان نیٹو اتحادی تصور کیا جاتا ہے۔ اسرائیل نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فوجی تجارت اور سکیورٹی تعاون میں بہت زیادہ مراعات حاصل کی ہیں۔ امریکی وزارت خارجہ کے مطابق اسرائیل کو فراہم کی جانے والی فوجی امداد کا مقصد خطے میں امریکی مفادات کا تحفظ ہے۔

1948ء میں اسرائیل نامی ناجائز ریاست کے قیام پر امریکہ نے اسے 130 ارب ڈالر امداد فراہم کی۔ 1983ء میں امریکہ اور اسرائیل نے JPMG نامی سیاسی فوجی گروہ تشکیل دیا جس کا مقصد مشترکہ خطرات کا مقابلہ کرنے اور سکیورٹی تعاون کے جدید مواقع تلاش کرنے کیلئے مشترکہ پالیسیاں اختیار کرنا تھا۔ اس گروپ نے مغربی ایشیا خطے میں امریکہ اور غاصب صیہونی رژیم کے درمیان تعاون آگے بڑھانے میں انتہائی بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح اس گروپ نے ابراہیم معاہدے کے تحت اسرائیل اور عرب ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام اور امریکہ کی جانب سے اسرائیل کو فولادی گنبد نامی فضائی دفاعی نظام فراہم کئے جانے میں بھی مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ 1992ء سے امریکہ نے اسرائیل کو 6.6 ارب ڈالر مالیت کی فوجی امداد کا نیا سلسلہ شروع کیا جو Excess Defense Articles Programme کے تحت انجام پاتی ہے۔

3) اکتوبر 2023ء کے بعد امریکی امداد میں خاطر خواہ اضافہ

امریکہ نے اس سال اکتوبر کے مہینے سے اسرائیل کی غاصب صیہونی رژیم کی فوجی امداد میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اب تک اسرائیل امریکہ سے 8.23 ارب ڈالر کی فوجی امداد حاصل کر چکا ہے۔ ان میں ایف 35 جنگی طیارے، کے 53 سی ایچ جنگی ہیلی کاپٹرز، فضا میں ایندھن بھرنے والے اے 46 کے سی جہاز اور ٹارگٹڈ بم اور میزائل شامل ہیں۔ تل ابیب اب تک غزہ پر بمباری میں امریکہ ساختہ GBU39 بم بھی بروئے کار لا چکا ہے جن کا اصل مقصد کنکریٹ والے مورچے تباہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ بم امریکہ کی بوئنگ کمپنی نے تیار کر کے اسرائیل کو فراہم کئے ہیں۔ یاد رہے غزہ میں شہید ہونے والے بچوں کی بڑی تعداد اسی نوعیت کے بم حملوں میں شہید ہوئی ہے۔ امریکی کانگریس نے اس سال 39 جی بی یو بموں سمیت اسرائیل کو 8.3 ارب مالیت کا اسلحہ دینے کی اجازت دی تھی۔

نتیجہ گیری

اسرائیل کے ناجائز قیام کے آغاز سے ہی امریکہ اس کا سب سے بڑا سیاسی حامی اور اسلحہ فراہم کرنے والا ملک تصور کیا جاتا ہے۔ امریکہ ساختہ اسلحہ اسرائیل کی فوجی طاقت کا اہم عنصر سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف بین الاقوامی قوانین کی رو سے غاصب صیہونی رژیم کی جانب سے یہ اسلحہ عام شہریوں کے خلاف استعمال ہونے کی صورت میں اس کی براہ راست ذمہ داری امریکہ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ 2001ء میں ہیومن رائٹس کمیشن کی منظور ہونے والی

قرارداد میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر کوئی ملک کسی دوسرے ملک کو اسلحہ فراہم کرتا ہے اور وہ یہ اسلحہ جنگی جرائم کے ارتکاب میں استعمال کرتا ہے تو یہ ملک بھی قصور وار ٹھہرے گا۔ اس بات کا اشارہ آرٹیکلز 8، 16، 17 اور 18 میں ملتا ہے۔ آرٹیکل 16 میں ایسے ملک کو بھی قصوروار ٹھہرایا گیا ہے جو دوسرے ملک کی جانب سے جنگی جرائم کے ارتکاب میں سہولت کار کا کردار ادا کرتا ہے۔

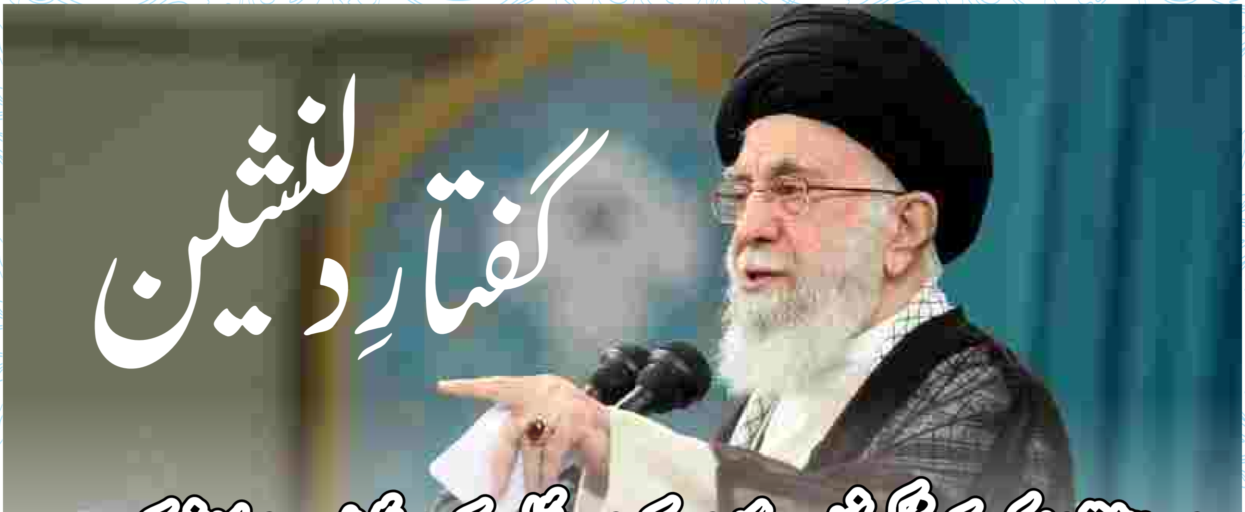

استقامتی محاذ کو روکنا ممکن نہیں ہوگا، امریکہ اسرائیل کے جرائم میں برابر کا شریک ہے

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے آج تہران کے حسینیہ امام خمینی رح میں دانشوروں اور علمی شخصیات کے ساتھ ہونے والی ملاقات میں صیہونی حکومت کے جرائم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر صیہونی حکومت کے جرائم کا سلسلہ جاری رہا اور غزہ پر بمباری فوراً بند نہ کی گئی تو مسلمان اور استقامتی قوتیں بیتاب ہوں گی اور پھر انہیں روکا نہیں جا سکے گا اس لئے کہ مسلم اقوام حقیقی معنوں میں غیظ وغضب میں ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے فرمایا کہ بعض ملکوں کے سربراہوں نے ہمارے ملک کے حکام کے ساتھ بات چیت میں یہ دعوی کیا ہے کہ فلسطینیوں نے غیر فوجیوں کو مارا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا دعوی جھوٹا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ کتنے غیر فوجی مارے گئے ہیں؟ اس کی سو گنا عورتوں اور بچوں کو غاصب صیہونی حکومت شہید کر رہی ہے اور ان عمارتوں پر بمباری کر رہی ہے جن میں فوجی نہیں رہتے۔

رہبر انقلاب اسلامی نے فرمایا کہ انہوں نے چند دنوں میں کئی ہزار فلسطینی شہید کئے یہ وہ جرم ہے جو دنیا کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

سید علی خامنہ ای نے فرمایا کہ صیہونی حکومت کی گزشتہ ہفتے سے جاری جارحیت امریکیوں کے ایما پر جاری ہے۔ امریکہ حالیہ جرائم کا ذمہ دار ہے۔ فلسطینیوں پر بمباری فوری بند ہونی چاہئے۔

آپ نے فرمایا کہ متعدد رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ ان دنوں صیہونی حکومت کے فیصلے امریکی کر رہے ہیں اور وہی ان کیلئے پالیسیاں طے کرتے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے صوبہ لرستان کی یادگار شہدا کمیٹی کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ فلسطین کے مظلوم عوام کے خلاف وحشیانہ جرائم میں برابر کا شریک ہے اور امریکہ کے ہاتھ کہنیوں تک مظلوں، بچوں، خواتین اور دوسرے شہیدوں کے خون سے آلودہ ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے غاصب صیہونی حکومت کے مقابلے میں صبر و استقامت کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں کی مظلومیت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شکست خوردہ غاصب صیہونی حکومت، فلسطینی مجاہدین کی جانب سے لگائی جانے والی کاری ضرب کا بدلہ غزہ کے عوام سے لے رہی ہے لیکن اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں کہ ساری دنیا کی شیطانی طاقتوں کی بھرپور حمایت اور صیہونیوں کے جرائم میں امریکیوں کی کھلی مشارکت کے باوجود، اس ظلم اور ستم کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا اور فتح فلسطینی قوم کا مقدر ہے۔

آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے غزہ کے موجودہ واقعات، فلسطینیوں کی مظلومیت اور استقامت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ظالم اور خونخوار دشمن، جرائم کے ارتکاب اور بچوں، عورتوں، مردوں، بوڑھوں اور جوانوں کے قتل عام میں کسی بھی حد تک کا قائل نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ غزہ کے عوام حقیقی معنوں میں مظلوم واقع ہوئے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی نے غزہ کے عوام کے صبر وتحمل کو انتہائی اہم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے نشاندھی ہوتی ہے کہ دشمن اس قوم کو شکست دینے میں ناکام ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہی صبر ان کی مدد کرے گا اور آخر کار فتح ان کے قدم چومے گی۔

آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے 7 اکتوبر کے حملے کو غاصب صیہونی حکومت کے خلاف فلسطینیوں کا فیصلہ کن حملہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حملے کے ناقابل تلافی ہونے کے شواہد آشکارا ہوں گے۔

رہبر انقلاب اسلامی نے امریکہ اور دیگر شر پسند اور ظالم ملکوں، برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے سربراہوں کے پے در پے دورہ اسرائیل کو غاصب صیہونی حکومت کو نابودی سے بچانے کی کوشش قرار دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شر پسند دیکھ رہے ہیں کہ صیہونی حکومت فلسطینی مجاہدین کے انتہائی طاقتور اور فیصلہ کن حملے کے نتیجے میں نابودی اور زوال سے دوچار ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ دورے کر کے اسرائیل کی حمایت کے اعلان، اور بم، ہتھیار اور دوسرے اسباب جرم فراہم کر کے اس زخم خوردہ اور زوال پذیر حکومت کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای سے نائیجیریا کی اسلامی تحریک کے قائد شیخ ابراہیم زکزاکی نے ملاقات کی۔

رہبر انقلاب اسلامی نے اس ملاقات میں فلسطین کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فلسطین اور غزہ عالم اسلام کی طاقت کا مظہر ہیں اور عالم اسلام کو فلسطینی عوام کی مدد کرنی چاہیے۔

آپ نے تاکید کی کہ فلسطین میں خواتین اور بچوں سمیت بے گناہ لوگوں پر بمباری اور طاقت کے وحشیانہ استعمال سے انسانوں کا دل مجروح ہوا ہے لیکن ان واقعات کا دوسرا رخ بھی ہے جو کہ اسلام کی ناقابل یقین طاقت ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے فلسطین میں شروع ہونے والی تحریکوں کے نتیجے میں فلسطینی مکمل کامیاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ عالمی سطح پر سازشوں کے باوجود اسلام کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے فرمایا کہ ایران میں اسلامی نظام ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید طاقتور ہو رہا ہے اور مستقبل میں اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہوگا، آج دنیا کے مختلف خطوں خاص طور سے افریقہ، ایشیا، یورپ اور شمالی امریکہ میں اسلامی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں اور اللہ کے فضل سے کامیابی سے ہمکنار ہوں گی۔

رہبر اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے اس ملاقات کے دوران فرمایا کہ نائیجیریا کی اسلامی تحریک کے رہنما شیخ ابراہیم زکزاکی اور ان کی شریک حیات کی قربانیاں قابل قدر ہیں۔

رہبر انقلاب نے شیخ زکزاکی سے ملاقات پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں حقیقی معنوں میں جہاد کر رہے ہیں اور امید ہے کہ اس کو مزید جاری رکھیں گے۔

شیخ ابراہیم زکزکی اور ان کی اہلیہ نے رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای سے ملاقات پر انتہائی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ان کے جذبات ناقابل بیان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رہبر معظم کی دعاوں اور مسلمانوں کی کوششوں کی بدولت اسلام مزید ترقی کرے گا۔

ترکی فلسطین کی کتنی مدد کرے گا؟؟

تحقیق: حجۃ الاسلام ڈاکٹر سید شفقت حسین شیرازی

ترکی دنیائے اسلام کا ایک اہم ملک سمجھا جاتا ہے مسئلہ فلسطین اور کشمیر کے لیے سادہ لوح مسلمانوں کی نگاہیں ترکی پر لگی رہتی ہیں۔ ہمارے ہاں میڈیا پر جو ترکی کا چہرہ دکھایا جاتا ہے اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے اور ترکی کو عالم اسلام کا خیرخواہ اور دفاع کرنے والا بنا کر پیش کیا جاتا ہے ترکی کے متعلق حقائق بیان کرنے کا مقصد ہرگز ترکی کی مخالفت نہیں بلکہ وہ حقائق جو ساری دنیا جانتی ہے ان سے اپنی عوام کو بھی آگاہ کرنا ہے تاکہ ہماری سادہ لوح قوم کسی پروپیگنڈے کا شکار نہ ہو۔ اور ترکی کے بارے میں ہماری توقعات حقائق تک محدود رہے۔ ترکی فلسطین کی کتنی مدد کرے گا اس سوال کا بہترین جواب تو خود فلسطینی قوم ہی دے سکتی ہے لیکن تاریخی حقائق جان آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ترکی فلسطین کی کتنی مدد کرے گا ناظرین کچھ سال پیچھے چلتے ہیں ترکی اور اسرائیل کے تعلقات باضابطہ طور پر مارچ 1949ء

میں اس وقت طے پائے جب اسرائیل کو وجود میں آئے محض ایک سال کا عرصہ ہوا تھا یادر ہے کہ ترکی اسرائیل کو تسلیم کرنے والا پہلا مسلم اکثریتی ملک بھی ہے 1950 میں دونوں ممالک کے درمیان باضابطہ سفارتی تعلقات قائم ہو گئے ناظرین ترکی وہ پہلا اسلامی ملک تھا کہ جس نے 1957 میں اسرائیل کے سربراہ بن غوریون کا اپنی سرزمین پر پرتپاک استقبال کیا۔

1958 میں اسرائیل کے وزیر اعظم ڈیوڈ بن غوریون اور ترکی وزیر اعظم عدنان مندریس نے مشرق وسطی میں روسی نفوذ کا مقابلہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کیے سوویت یونین ٹوٹنے کے بعد امریکہ جب سپر پاور کے طور پر ابھرا تو ترکی کی سیاست میں بھی ایک نئی تبدیلی آئی۔ ترکی چونکہ امریکہ کا اتحادی تھا، اس لیے ترکی نے بھی سوویت یونین کے خاتمے سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کرنے اور اپنے نفوذ کو خطے میں بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ ترک سمجھتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ، بلقان اور قوقاز کے ممالک پر انکا حق ہے۔ تو بس اپنے توسیع پسندانہ عزائم کے لئے ترکی کو ایک طاقتور فوج کی ضرورت تھی۔ لیکن جب امریکہ و یورپ نے ترکی کو جدید عسکری ٹیکنالوجی دینے سے انکار کیا تو ان حالات میں ترکی کی نگاہیں اسرائیل پر پڑیں کہ جو جدید ترین اسلحہ

اور ٹیکنالوجی لیس ہے۔ دوسری طرف اسرائیل کو بھی خطے میں ایک مضبوط شراکت دار کی ضرورت تھی۔ 1994 میں اسرائیل کے صدر عزر وایز مین نے ترکی کا دورہ کیا جس کے بعد ترکی کی خاتون وزیر اعظم تانسو چیلر نے

اسرائیل کا دورہ کیا اور دونوں ممالک کے درمیان "امن وسیکورٹی" معاہدے پر دستخط ہوئے۔ تاکہ دونوں آپس میں خفیہ معلومات کا تبادلہ کر سکیں۔ اور ترک فضائیہ کو اسرائیل میں ٹریننگ دی جائے۔ 1996 میں ترکی نے اپنی فوجی صلاحیتوں میں اضافے اور جدید اسلحہ کی خریداری کے لئے بڑی مقدار میں سرمایہ خرچ کیا۔ اور پہلے دس سال کے لئے 25 سے 30 بلین ڈالرز بجٹ طے ہوا، جس کی مقدار اگلے تیس سال تک کے لئے 150 بلین ڈالرز تک کردی گئی 26 اگست 1996 کو ترکی اور اسرائیل نے اسلحہ بنانے کے معاہدے پر دستخط کئے۔ ماگست 1996 میں دونوں ممالک میں عسکری شعبوں میں تعاون کے معاہدے ہوئے۔ جس کے تحت مشترکہ بری، بحری اور فضائی فوجی مشقیں اور ڈائیلاگ وغیرہ شامل ہیں یہی نہیں بلکہ ترکی اسرائیلی اسلحہ کا خریدار بھی ہے جن میں جنگی جہاز، ٹینک اور توپخانے شامل ہیں۔ اس معاہدے کے بعد باہمی سرمایہ کاری کے فروغ، دہرے ٹیکس سے بچنے کے معاہدے اور اقتصادی تعاون کے معاہدے جیسے کئی معاہدوں پر دستخط کیے گئے۔ جس کے بعد اسرائیل نے ترکی کے 54 جنگی جہازوں کو اپ گریڈ کیا۔ اور اس پانچ سالہ ڈیل کی لاگت 800 ملین ڈالرز تھی۔ اسی طرح میزائل اور ریڈار بھی بنائے گئے جو ترکی نے اپنے ہی اسلامی ممالک عراق اور شام کی سرحدوں پر نصب کر دیئے اسی طرح دور تک مار کرنے والے میزائل بنانے کا معاہدہ بھی طے پایا جس کا بجٹ 150 ملین ڈالرز طے ہوا۔ اسرائیل کی جغرافیائی وسعت کم ہونے کی وجہ اسرائیل نے ان معاہدوں سے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے جنگی جہازوں کو پرواز کے لیے ترکی کی وسیع فضا استعمال کرنے کا موقع مل گیا۔ جس کے سبب وہ اپنے دشمن اسلامی ممالک کے قریب آزادانہ پرواز کرنے لگے۔ 1997 میں ترکی اور اسرائیل کے اہم وزراء اور چیف نے دونوں ممالک کے دورے کر کے عسکری تعلقات کو مزید فروغ دیا 30 نومبر سے 4 دسمبر 1997 تک امریکہ ترکی اور اسرائیل کی مشترکہ ٹریننگ شروع ہوئی اور طے پایا کہ یہ ہر سال ہوگی۔ یکم جنوری 2000 میں ترکی اور اسرائیل کے مابین ڈیوٹی فری تجارت کا معاہدہ بھی طے پایا۔ اب آیئے اردگان کے دور حکومت اور ترک اسرائیل تعلقات پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے ہیں: جب اردگان کی پارٹی نے 2002 میں اقتدار حاصل کیا تو ایک اسلامی چہرہ رکھنے والی اس پارٹی کی حکومت سے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ یہ اقتدار پر آتے ہی اسرائیل کے ساتھ سارے معاہدے ختم کرنے کا اعلان کریں گے۔ اور حماس اور فلسطینی مقاومت کے ساتھ کھڑے ہونگے لیکن اردگان نے اپنے اسلاف کے راستے کا ہی انتخاب کیا اور اسرائیل کے ساتھ امن وسیکورٹی معاہدے کو جاری رکھا بلکہ اردوان نے فوراً امریکہ کا سفر کیا وہاں یہودی لابی اور امریکی حکام سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اعتماد میں لیا مارچ 2003 میں جب عراق پر امریکہ نے قبضہ کیا تو ترکی کے موجودہ صدر رجب طیب اردگان نے پوری کوشش کی کہ امریکہ کے ساتھ ملکر عراق میں مداخلت کرے لیکن ترک پارلیمنٹ نے انکار کر دیا۔ جون 2004 کو مشرق وسطیٰ کے وسیع البنیاد امریکی منصوبے کے سربراہی اجلاس میں اردگان نے شرکت کی۔ اور امریکہ و ترکی کے باہمی تعاون سے خطے کا نیا روڈ میپ بنانے پر تعاون اور ترکی کی حکومت کو ایک اسلامی ڈیموکریٹک لیبرل نظام بطور نمونہ خطے میں متعارف کروانے کی کوشش پر اتفاق ہوا۔ 25 جنوری 2004

امریکی یہودی کانفرنس تنظیم AJC نے اردگان کو انکی خدمات کے صلے میں تمغہ شجاعت سے نوازا۔ مئی 2005 کو اردگان نے اسرائیل کا دورہ کیا

اردگان نے اس دورے میں اسرائیل کے ساتھ 5.687 ملین ڈالرز کا سودا کیا۔اور اسرائیل سے M601 جنگی ٹینک خریدے جنہیں اسرائیلی چلتا پھرتا قلعہ کہتے تھے یہ الگ بات ہے کہ 2006 میں جب اسرائیل نے لبنان پر 33 روزہ جنگ مسلط کی تو حزب اللہ نے ایک ہی دن میں اسی قسم کے 40 اسرائیلی ٹینک تباہ کر دیئے تھے اردگان کے اس دورے کی حیران کن بات یہ تھی

کہ اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون نے اردگان کا پرتپاک استقبال کرتے ہوئے کہا" اسرائیل کے ابدی دارالحکومت قدس شہر میں خوش آمدید" اردگان نے جب اس بات پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا تو اسے اپنے سابق سربراہ نجم الدین اربکان کی سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس پر امریکہ و یہودی لابی اور عالمی صہیونیت کا ایجنٹ ہونے کا الزام بھی لگایا اسی سال 10 جون 2005 کو امریکی یہودی ادارے ADL نے اردگان کو نشان شجاعت سیاسی کا تمغہ عطا کیا 15 فروری 2006 کو جب حماس کے سیاسی سربراہ خالد مشعل نے ترکی کا دورہ کیا تو اردوان نے بذات خود امریکا اور اسرائیل کے ڈر سے حماس رہنما سے ملنا تک گوارا نہیں کیا۔اور اس وقت کے وزیر خارجہ عبداللہ گل نے وزارت خارجہ آفس کی بجائے اپنی پارٹی کے دفتر میں حماس رہنما سے ملاقات کی اور انہیں نصیحت کی کہ اسرائیل کے خلاف عسکری عمل سے باز رہیں یاد رہے کہ یہ دورہ حماس کی فلسطینی انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد کا تھا۔

13 نومبر 2007 کو اسرائیل کے صدر شمعون پیریز کو ترکی کے دورے کی دعوت دی گئی اور یہ پہلا اسرائیلی صدر تھا کہ جس نے ترک پارلیمنٹ سے خطاب کیا۔ 2009 کو ترکی نے اسرائیلی کمپنی کو شام ترکی سرحدی علاقے سے بارودی سرنگیں صاف کرنے کا ٹھیکہ دیا۔ 2018 میں اسرائیل اور ترکی کا تجارتی حجم تقریبا 6 ارب ڈالرز تک پہنچ چکا تھا۔اور اسی سال 3 لاکھ 20 ہزار اسرائیلی باشندوں کا سیاحت وتفریح کے لیے ترکی کی سرزمین پر استقبال کیا گیا 9 مئی 2018 کو انقرہ میں قائم اسرائیلی سفارتخانے میں اسرائیل کے قیام کے 70 سال پورے ہونے کا جشن گرمجوشی سے منایا گیا جس میں ترک وزیرخارجہ سمیت اعلی ترک حکام نے شرکت کی۔ا. یاد رہے اردگان ووٹ حاصل کرنے اور مسلمانوں کے دل جیتنے کے لئے کبھی کبھار انقلابی بیانات اور خطاب کرتا رہتا ہے۔آج رجب طیب اردگان کہتے ہیں کہ" وہ ہمیشہ کے لئے فلسطین کا دفاع کریں گے جیسا کہ سلطان عبدالحمید نے دفاع کیا تھا" اب آیئے جانیے کہ یہ سلطان عبدالحمید ہے کون؟ تاریخ کو کھنگال لیجئے، سلطان عبدالحمید وہ شخص ہے کہ اس وقت اگر سلطان عبدالحمید یہودیوں کو فلسطین کی سرزمین کی طرف ہجرت کی اجازت نہ دیتا اور سہولت کار نہ بنتا اور مالی امداد نہ کرتا تو آج اسرائیل کا وجود ہی نہ ہوتا۔جب عرب بہار کے نام پر خطے میں اسرائیل کی خاطر حالات خراب کئے گئے اور جنگیں مسلط کی گئیں تا کہ شام، ایران ، حزب اللہ اور فلسطینی مقاومت کو کچلا جا سکے تو امریکہ کی سرپرستی میں جو

اتحاد تشکیل پایا تو اس میں بھی فرانس، برطانیہ سمیت یورپی ممالک اور خطے کے ممالک میں سعودی عرب، قطر، امارات، اسرائیل اور ترکی سرفہرست تھا۔ترکی ذرائع ابلاغ کے مطابق ترک صدر اردگان کے بیٹے براق اردوان کے بحری جہاز ترکی سے سامان اور عراقی کرد علاقوں کا پٹرول اسرائیل منتقل کرتے ہیں۔ اور اسرائیل کے زرعی بیج اور مصنوعات بھی ترکی کی منڈیوں میں بکتے ہیں۔داعش کے شامی علاقوں سے نکالے جانے والے پٹرول کا خریدار اور بلیک مارکیٹ میں بیچنے والا بھی ترکی ہی ہے۔ اسرائیل اور فلسطین کے موجودہ حالات میں ترکی فلسطینیوں کی کتنی مدد کر رہا ہے یہ سب کے سامنے ہے ناظرین امید کرتے ہیں کہ یہ تاریخی حقائق جان کر آپکو اپنے سوال کا جواب مل چکا ہوگا کہ ترکی فلسطین کی کتنی مدد کریگا۔

علی ناصر الحسینی

رپورٹ قرآن و اہلبیتؑ کنونشن

کاروان امامیہ کا 52واں مرکزی سالانہ کنونشن حسب سابق لاہور میں 13,14,15 اکتوبر جامعۃ المصطفیٰ میں منعقد ہوا، کنونشن میں ملک بھر سے امامیہ طلباء، بڑی تعداد میں جبکہ سینئرز، سابق مرکزی صدور، علمائے کرام، اراکین نظارت، سیاسی و سماجی شخصیات، دانشور، صحافی، مذہبی رہنما، ملی وقومی شخصیات اور زندگی کے دیگر طبقات سے تعلق رکھنے والی شخصیات نے شرکت کی اور کنونشن کی مختلف نشستوں میں شریک ہو کے اپنے جذبوں کو جلا بخشی، ملی، قومی، اجتماعی، تعلیمی، تنظیمی ایشوز پہ خطباء و ماہرین کی آراء سے مستفید ہوئے۔

کنونشن کے پہلے روز لاہور میں تنظیم کے بانیان و محسنین کے مزارات پہ امامیہ اسکاؤٹس کی سلامی ہوئی۔ علامہ سید صفدر حسین نجفی، علامہ مفتی جعفر حسین، علامہ مرتضی حسین صدر الافاضل، شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی کے مزارات پہ امامیہ اسکاؤٹس نے بہترین انداز میں سلامی پیش کی۔

اس دوران ملک بھر سے برادران کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، دور کے مسافر جب طویل مسافت طے کر کے کنونشن ہال میں پہنچتے تو ان کی تھکن دور ہو جاتی کہ مرکزی کنونشن میں شرکت ایک خواب کی مانند ہوتا ہے جسے کارکنان و مخلصین سال بھر دیکھتے ہیں اور اس میں شرکت کرنے کو سعادت و خوشبختی تصور کرتے ہیں۔

کنونشن کا دوسرا دن بہت ہی بھرپور ہوتا ہے، اس دن کا آغاز پہلی نشست فلسطین کے مجاہدین کی استقامت کو سلام پیش کرنے کیلئے، استقامت فلسطین کانفرنس، منعقد ہوئی، کانفرنس سے جناب لیاقت بلوچ مرکزی رہنما جماعت اسلامی، جناب اوریا مقبول جان کالم نگار، جناب سید منیر حسین گیلانی، سابق وزیر تعلیم، جناب سید ناصر عباس شیرازی سابق مرکزی صدر، رکن مرکزی نظارت جناب ڈاکٹر علامہ عقیل موسیٰ نے خطاب کیا، مقررین نے فلسطین اور غزہ میں اسرائیل کی ظالمانہ پالیسیوں اور حماس کی جانب سے سات اکتوبر کی کاروائی پہ دقت سے روشنی ڈالی اور اس کاراوائی کے اثرات پہ گفتگو کی، مقررین نے جہاد سے سرشار اہل فلسطین کی طویل مقاومت کو سلام پیش کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ بھرپور طریقہ سے اسرائیل کی مدد کر رہا ہے اور اسرائیل کے ہر جرم میں برابر کا شریک ہے، جبکہ کسی اسلامی مملکت میں جرات نہیں کہ وہ کھل کے اہل فلسطین کی مدد اور حمایت کرے اگر ایسا کوئی کرتا ہے تو اسکے خلاف پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے، کانفرنس کے مقررین نے مزید کہا کہ اسرائیل کے مقابلے کیلئے امت کو وحدت واتحاد کی اشد ضرورت ہے، دشمن کا مقابلہ اتحاد سے ہی

کیا جا سکتا ہے، جبکہ آئی ایس او کی جانب سے فلسطینیوں کی حمایت میں کیے جانے والے پروگراموں کو بھی سراہا گیا اور اسے جہاد کہا گیا جس کی ضرورت سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری نشست میں حسب ایجنڈا " قرآن و اہلبیت کانفرنس" کا انعقاد کیا گیا۔

جس میں آیۃ اللہ غلام عباس رئیسی، علامہ حسنین عباس گردیزی، آغا علی رضوی اور عالمی شہرت یافتہ نوحہ خواں" برادر علی صفدر رضوی" اور برادر اطہر عمران نے شرکاء سے خطاب کیا۔

کانفرنس مین مقررین نے قرآن و اہلبیت سے تمسک و تعلق نیز قرآن و اہبیتؑ کے باہمی تعلق پہ خوب روشنی ڈالی۔قرآن و اہلبیتؑ کا دامن تھامے بنا ہم نجات نہیں پا سکتے، ان میں سے کسی ایک کو چھوڑا نہیں جا سکتا کہ اگر قرآن کا دامن چھوڑ دیں تو اہبیت سے بھی دوری ہو جاتی ہے اور اگر اہلبیتؑ کو چھوڑ کر فقط قرآن کے دامن پناہ مین آنا چاہیں تو پناہ نہیں ملتی، لہذا قرآن و اہلبیتؑ کے دان کو ہی پکڑنا ہوگا، نجات کا یہی ایک راستہ ہے۔

اس روز بعد از وقفہ نماز و طعام عظیم الشان محفل بہ عنوان "تکریم قرآن کریم" کا اہتمام کیا گیا۔جس میں مولانا سید حافظ محمد حیدر نقوی نے شرکاء سے خطاب کیا، ان کا خطاب ابھی شروع ہوا تھا کہ موسم نے انگڑائی لی اور تیز آندھی و بارش نے نظام درہم برہم کر دیا،، اس پاک و مبارک محفل کو کنونشن ہال سے سمیٹ کے مسجد ہال میں منتقل کرنا پڑا، جہاں علامہ سید حیدر نقوی نے تکریم قرآن کریم پہ بہترین انداز میں گفتگو کی اور عالمی سامراجی ایجنٹوں کی طرف سے کتاب الہیٰ کی توہین اور نذر آتش کیے جانے کی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

تیسرے اور آخری روز مرکزی صدر برادر حسن عارف نے اپنا اور کابینہ کے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور اپنے آخری خطاب میں اس برس اپنی مختصر کارکردگی اور سال بھر میں کیے جانے والے کچھ اہم امور کی جان اشارہ کیا، دوستان نے عارف بھائی الوداع کے شعار بلند کیے۔

مرکزی کابینہ و مرکزی صدر کے مستعفی ہونے کے بعد سٹیج کا انتظام نظارت کے پاس آ گیا، جس کے بعد اگلے مرحلہ یعنی انتخاب کیلئے اہتمام ہونے لگا۔

انتخابی مرحلہ میں برادر حسن عارف اور برادر شہریار کے نام سامنے آئے، مرکزی مجلس عمومی کے اراکین نے اپنی اپنی زمہ داری سمجھتے ہوئے مرکزی صدارت کے امیدواران سے سوالات کیے اور اپنے ووٹ کا حق استعمال کیا، ووٹنگ کے مرحلہ کے بعد وقفہ نماز ہوا۔

کنونشن کی آخری نشست جس میں نومنتخب مرکزی صدر کا اعلان کیا جاتا ہے یہ پروگرام ہمیشہ سے برادران کی دلچسپی کا اہم ترین سلسلہ رہا ہے، نومنتخب مرکزی صدر کا اعلان و حلف، اس بار فلسطینی مسلمانوں کی حمایت میں؛ حمایت فلسطین ریلی؛ کا اہتمام بھی تھا، مرکزی صدر کے اعلان سے قبل آیۃ اللہ غلام عباس رئیسی نے بہترین انداز میں ایک رہنما خطاب کیا، جبکہ معروف نوحہ و منقبت خوان برادر علی صفدر رضوی نے برادران کو خوب جگا کے رکھا اور جذبوں کو گرمائے رکھا۔اس موقعہ پہ برادرن میں شیلڈز بھی تقسیم کی گئیں۔

رکن نظارت برادرم غلام شبیر بخاری نے نومنتخب مرکزی صدر نے اعلان کیا، برادر حسن عارف ایک بار پھر مرکذی صدر منتخب ہوئے، ان کے اعلان کیساتھ ہی برادران انہیں پھولوں کی پتیوں کی بارش اور پھولوں کے ہار پہناتے سٹیج تک لائے، جہاں ان سے شبیر بخاری صاحب نے حلف وفاداری لیا، مرکزی صدر نے مختصر خطاب کے بعد برادران کو ریلی میں شرکت کیلئے کہا، کہ تاخیر ہو رہی تھی، برادران گاڑیوں میں مال روڑ ناصر باغ پہنچے جہاں سے حمایت مظلومین ریلی نکالی گئی جس کی قیادت نومنتخب مرکزی صدر برادر حسن عارف نے کی۔

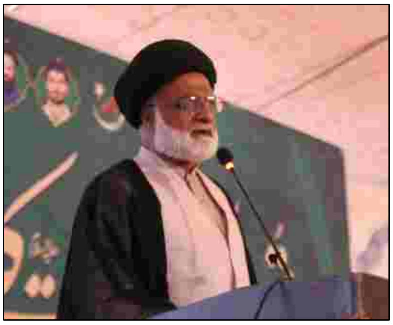

قرآن اہلبیتؑ کانفرنس

نئے تنظیمی سال کا آغاز ہے ایسے میں مرکز سے لیکر یونٹس تک مسئولین کی تنظیم نو کا آغاز ہو چکا ہے اہم نے بہتر سمجھا کہ برادران و خواہران کی رہنمائی کی جائے۔ یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جسے اگلے شمارہ میں بھی پیش کیا جائے گا۔ ادارہ العارف

اخلاق مسئولین کے بنیادی اصول

(امام خمینیؒ کی نگاہ میں)

از؛ المہدی ادارہ تربیت

اخلاق مسئولین کے بنیادی اصول سے مراد، مسئولین کی صفات وخصوصیات ہیں جو ان کے اخلاق ورویہ میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں اور امامؒ کی گفتگو میں ان پر تاکید کی گئی ہے، اور مسئولین حکومت اسلامی کو نصیحت کی گئی ہے کہ ان کی رعائت کریں۔

۱۔ ایمان

امامؒ کی گفتگو میں جس چیز کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ خدا اور اسلامی اقدار پر ایمان ہے۔ اس بارے میں امامؒ کی گفتگو کے چند نمونے پیش کرنے سے پہلے، مناسب ہے کہ امام خمینی (رح) کی نگاہ میں ایمان کا معنی بیان کیا جائے۔

ایمان کا لغوی معنی وثوق، تصدیق، اطمینان، اطاعت، خضوع اور تسلیم سے عبارت ہے اور فارسی میں گر ویدن ہے اور واضح رہے کہ ایمان، اعتقاد علم وادراک سے مختلف ہے۔

(شرح حدیث جنود عقل وجہل ص ۸۸)

امام خمینیؒ علم و ایمان کے فرق کو واضح کرنے کیلئے بڑی خوبصورت مثال بیان کرتے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مُردہ ذرہ برابر بھی حرکت نہیں کرسکتا اور دوسرں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور تاریکی میں زندہ ہونے کی استعداد بھی نہیں رکھتا، ان تمام خصوصیات ومعلومات کے باوجود تاریکی میں مُردوں سے وحشت زدہ ہیں۔ یہ خوف اس حقیقت کو روشن کررہا ہے ''کہ اس حقیقت عقلی پہ دل مطمئن نہیں ہوا اور یہ ادراک عقلی کی دل تک نہیں پہنچا۔'' یعنی دلی اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

دوسری مثال حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے۔ جب انہوں نے خدا کی بارگاہ میں سوال کیا کہ خدایا تو مردوں کو زندہ کیسے کرے گا۔

''وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ''

''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا: میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔''

''قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي''

فرمایا: ''کیا آپ ایمان نہیں رکھتے؟ کہا: ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرے دل کو اطمینان مل جائے۔''

''قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ''

فرمایا: ''پس چار پرندوں کو پکڑ لو پھر ان کے ٹکڑے کرو پھر ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تیزی سے آپ کے پاس چلے آئیں گے اور جان رکھو اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔'' (بقرہ: ۲۶۰)

بطور مثال، توحید معارف الٰہیہ کی اہم ترین بنیاد ہے، نیز اکثر ایمانی فروعات، معارف دینی، روحانی اوصافِ کاملہ اور قلب کی نورانی صفات اسکی شاخیں ہیں لیکن جب تک یہ (توحید) عقلی ادراک تک محدود رہے (دل میں اتر کر وجود کا حصہ نہ بن جائے)، مذکورہ فروعات اس سے حاصل نہیں ہوسکتیں اور انسان مذکورہ حقائق تک

رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہے۔

اور قرآن میں مومن کی ایسی صفات کا تذکرہ ہوا ہے جو ہم میں نہیں ہیں۔جس کی وجہ بھی علم وایمان میں تفاوت وفرق ہے۔

''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَاناً وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ''

''مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔''(انفال:۲)

لہٰذا مومن حقیقی وہی ہے جو ذات حق کو ہمیشہ حاضر و ناظر سمجھتا ہو اور انسان ایمانِ کامل کا حامل اسی صورت میں بن سکتا ہے جب وہ دنیا کو محضر خدا سمجھتا ہو۔جیسا کہ امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

''اینعالم محضر خدا است،در محضر خدا معصیت نکنید''

''یہ جہان محضر خدا ہے اور محضر خدا میں اس کی معصیت نہ کریں۔''(صحیفہ امام ج ۱۳ ص ۴۶۱)

یہی ایمان ہے جو اکثر امور کی اصلاح کا سبب بنتا ہے اور اسلامی نظام کے مسئولین کو اس سے آراستہ ہونا چاہئے تاکہ فساد و انحراف میں گرفتار نہ ہوں۔

امام خمینیؒ کی نگاہ میں ایمان سے عاری افراد عوام الناس کی خدمت سے قاصر ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ:

''نوجوان نسل کو جان لینا چاہیے کہ معنویت اور توحید و معاد پر اعتقاد نہ ہو تو محال ہے کہ کوئی اپنے وجود کو قربان کرکے امت و معاشرے کی اصلاح کی فکر کرے۔''(صحیفہ امام ج ۳)

امام خمینیؒ کے نزدیک سابقہ مسئولین اور حکومت کے فساد کا سبب اعتقاد وایمان سے خالی ہونا ہے وہ تمام لوگ جو ملت اسلامیہ کیلئے مشکلات و مصائب کا باعث بنے ہیں سب ایمان کی نعمت سے محروم تھے۔مادیت و معنویت کا اصل مبداء و مقصد ایمان کی روشنی میں تمام امور کا انجام پانا ہے۔حتماً ایک دوسرے کی مدد کریں تاکہ آئندہ نسلوں کیلئے ایمان وعقیدہ کی فضاء ایجاد کرسکیں۔آپ یونیورسٹیوں سے اور ہم مدرسوں سے مومن تربیت کریں نہ صرف عالم،صرف عالم مفید ثابت نہیں ہوسکتا اور اسی طرح نہ ہی مومن محض موثر ہوسکتا ہے۔''(صحیفہ امامؒ)

۲۔ تقویٰ

تقویٰ کا کلمہ ''وقایۃ'' سے نکلا ہے۔جس کے معنی اپنے آپ کو بچانا اپنی حفاظت کرنا ہے تاکہ انسان خطا سے محفوظ رہ سکے۔

امام خمینی جس کی توضیح کچھ یوں فرماتے ہیں کہ:

نفس کو اوامر و نواہی پروردگار کی مخالفت سے محفوظ رکھنا اور ذات حق کی اتباع کرنا اور مکمل طور پر نفس کو محرمات سے بچانا اور شبہات سے پرہیز کا نام تقویٰ ہے۔

''مَنْ أَخَذَ بِالشُّبُهَاتِ ارْتَكَبَ الْمُحَرَّمَاتِ وَهَلَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ''

''جو بھی شبہات پر عمل پیرا ہوا وہ محرمات کی وادی میں داخل ہوجاتا ہے وہ ناآگاہ طور پر ہلاک ہوجاتا ہے۔''(وسائل الشیعہ)

''فَمَنْ رَتَعَ حَوْلَ الْحِمَىٰ أَوْشَكَ أَنْ يَقَعَ فِيهِ''(شرح چہل حدیث)

''جو مہلکات کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہو وہ ضرور اس میں گرتا ہے''

امام خمینیؒ کی نظر میں میں تقویٰ کمال کے درجات و مقامات میں سے نہیں ہے بلکہ کمالات کا مقدمہ ہے جو معنوی مقامات تک رسائی کے بغیر ممکن نہیں اور امام نے تقویٰ کی جو تعریف کی ہے وہ تقویٰ عام کی تعریف ہے جس کا مطلب محرمات اور شبہات سے اجتناب ہے۔

امام تقویٰ کے مدارج کے بارے میں فرماتے ہیں:

۱۔ عام لوگوں کیلئے تقویٰ:

محرمات سے اجتناب

۲۔ خاص لوگوں کیلئے تقویٰ:

شبہات سے اجتناب

۳۔ زاہد لوگوں کیلئے تقویٰ:

محبت دنیا سے دوری

۴۔ مخلصین کا تقویٰ:

محبت نفس سے پرہیز

۵۔ خدا کی ذات میں فنا ہونے والوں کا تقوی:

کثرت اسماء سے اجتناب

۶۔ خدا کی ذات میں جذب ہوجانے والوں کا تقوی:

کثرت افعال کے ظہور سے اجتناب

۷۔ خدا کی ذات سے متصل ہو جانے والوں کا تقویٰ:

فنا پہ توجہ سے گریز

۸۔ متمکن افراد کا تقویٰ:

جدالون ورنگ سے اجتناب

(شرح چہل حدیث ص ۲۰۶)

(صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ)

''خدائی رنگ اختیار کرو، اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے؟ اور ہم صرف اسی کے عبادت گزار ہیں۔'' (بقرہ: ۱۳۸)

امیر المومنینؑ مالک اشتر کے نام خط کے آغاز میں تقوی الٰہی کی نصیحت کرتے ہیں اور امام خمینیؒ کہ جو تقویٰ و پرہیز گاری میں معروف تھے، مسئولین نظام اسلامی کو لزوم تقویٰ کی تاکید کرتے ہیں: کیونکہ اگر ایک مسئول قید و بند سے آزاد ہو اور اسلامی حدود حدود کا لحاظ نہ رکھے اور شبہات کو نظر انداز کرے تو آہستہ آہستہ نافرمانیوں کا مرتکب اور معصیت میں مبتلا ہو جائے گا اور گناہ کا ارتکاب اسکو برا نہیں لگے گا اور آسانی سے فساد میں مبتلا ہو جائے گا۔

امام خمینیؒ اس طرح تقویٰ کی تاکید کرتے ہیں:

تقوی سبھی کیلئے لازم ہے مگر مسئولین کے لئے لازم تر ہے۔ ذمہ داران کہ جو تمام امور کے مسئول ہیں اگر خدانخواستہ تقوی سے عاری ہوں تو بے تقوای پورے معاشرے میں سرائیت کر جائے گی۔ پورا معاشرہ بد اخلاق و بد کردار ہو جائے گا خدانا خواستہ پورا ملک تباہی و بربادی کا شکار ہو جائے گا لہٰذا ان کیلئے تقوی بیشتر اہمیت کا حامل ہے جو خود ان کیلئے بھی اچھا ہے اور ان کے دوستوں کیلئے بھی اور معاشرے کیلئے بھی۔ (صحیفہ امامؒ ج ۱۸)

کیونکہ تقویٰ کا نہ ہونا معاشرے اور ملک کی تباہی کے مترادف ہے اور اگر ایک مسئول بے تقوی ہو تو اس کے ماتحت افراد میں بھی یہ چیز سرائت کر جائیگی۔ مقام وعہدہ کے حساب سے افراد کو تقوی کی رعائت کرنی چاہئے اور شبہات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۳۔ تزکیہ وتہذیب نفس:

تزکیہ، تہذیب، اصلاح و جہاد بالنفس مہم ترین امور میں سے ہیں اور مسئولین نظام اسلامی کو اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ کمال، مکارم اخلاق، نیک عمل اور رذائل و فضائلِ اخلاقی تک دسترس کیلئے تزکیہ نفس ضروری ہے۔ جہاد بالنفس کو حدیث نبویؐ میں جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اس مجاہد کا اجر راہ خدا میں شہید ہونے والے مجاہد سے افضل ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں جہاد بالنفس سے مراد انسان کا اپنی ظاہری قوتوں پر غلبہ اور انہیں فرمان خداوندی کے تابع اور بدن کی سلطنت کو شیطانی طاقتوں سے خالی کرنے کا نام ہے۔

(شرح چہل حدیث)

اور آپؒ کے نزدیک جہاد بالنفس کیلئے مشارطہ، مراقبہ اور محاسبہ لازمی امور میں سے ہے امام خمینیؒ نے اپنی تقریروں میں تزکیہ کے تعلیم پر مقدم ہونے پر تاکید کی ہے اور قرآنی آیت ''وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ'' پر توجہ کرتے ہوئے تزکیہ نفس کی اہمیت کو مسئولین کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں نیز آپ فرماتے ہیں:

بعثتِ انبیاء علیہم السلام کی غایت و ہدف ہی تزکیہ و تہذیب ہے۔

مسئولین اور عہدہ دارانِ حکومت کیلئے تزکیہ کی ضرورت باقی افراد کی نسبت زیادہ ہے۔ جو حکومت (یا تنظیم) عوام الناس کو نیکی کی طرف دعوت دے رہی ہے اپنے آپ کا (مسئولین) حتماً تزکیہ کرے۔ ہمارے لئے سب سے ضروری امر تزکیہ نفس ہے اور اسی کے وسیلہ سے عوام الناس کی تہذیب کی جاسکتی ہے۔ اگر انسان خود مہذب نہ ہو دوسروں کو تہذیب یافتہ نہیں کرسکتا اور اس کی باتوں کا لوگوں پر اثر نہیں ہوتا۔ (صحیفہ امامؒ ج ۱۰)

جیسا کہ امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

''مَنْ نَصَبَ نَفْسَهُ لِلنَّاسِ إِمَاماً فَعَلَيْهِ أَنْ يَبْدَأَ بِتَعْلِيمِ نَفْسِهِ قَبْلَ تَعْلِيمِ غَيْرِهِ وَ لْيَكُنْ تَأْدِيبُهُ بِسِيرَتِهِ قَبْلَ تَأْدِيبِهِ بِلِسَانِهِ وَ مُعَلِّمُ نَفْسِهِ وَ مُؤَدِّبُهَا أَحَقُّ بِالْإِجْلَالِ مِنْ مُعَلِّمِ النَّاسِ وَ مُؤَدِّبِهِمْ''

''جو لوگوں کا پیشوا بنتا ہے تو اسے دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے کو تعلیم دینا چاہیے اور زبان سے درس اخلاق دینے سے پہلے اپنی سیرت و کردار سے تعلیم دینا چاہیے۔ اور جو اپنے نفس کی تعلیم و تادیب کرلے، وہ دوسروں کی تعلیم و تادیب کرنے والے سے زیادہ احترام کا مستحق ہے۔''

(نہج البلاغہ: حکمت ۷۰)

امام خمینیؒ نے بھی تہذیب نفس پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''دوسروں کا تزکیہ نفس کرنے سے پہلے وہ چیز جو ہمارے لئے سب سے ضروری ہے وہ اپنا تزکیہ اور تہذیب نفس ہے۔ کیونکہ جو انسان خود تہذیب یافتہ نہ ہو وہ دوسروں کو تہذیب یافتہ نہیں بنا سکتا۔''

قرآن کی نگاہ میں کامیاب لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی ہوائے نفس کے ساتھ مقابلہ کیا ہو اور جنہوں نے تہذیب و تزکیہ نفس کیا ہو۔ (قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا) (بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا) (شمس: ۹)

(قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ)

''بتحقیق جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا۔'' (اعلیٰ: ۱۴)

تزکیہ و تہذیب نفس نہ ہونے کے نقصانات

اکثر فسادات، برائیاں اور جرائم کا سبب خود خواہی و عدم تہذیب نفس ہے جو برائیاں تہذیب نفس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں امامؒ نے متعدد بار ان کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں چند امور درج ذیل ہیں۔

الف) لوگوں کیلئے مشکلات کھڑی کرنا:

عالم بے عمل وغیر صالح سے شریعت پر جو خطرہ وارد ہوتا ہے وہ منگولیا خاندان کے ہاتھوں ہونے والے (انسانی مال وجان) نقصانات سے بڑھ کر ہے۔ (صحیفہ امام ج ۱۴ ص ۳۹۱)

اگر کسی نے اپنا تزکیہ نفس نہ کیا ہو اور وہ بھی عالم یا مسئول ہو تو معاشرہ کو اس سے بے پناہ مشکلات و نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''زلۃ العالم یفسد العوالم''

''عالم کی لغزش جہانوں کو فاسد کر دیتی ہے۔''(غرر الحکم)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: کوئی لغزش وخطا، عالم وآگاہ انسان کی لغزش سے بڑھ کر نہیں ہے۔'' لا زلۃ اشد من زلۃ عالم ''(غرر الحکم)

اور فرماتے ہیں:

'' زَلَّةُ الْعَالِمِ كَانْكِسَارِ السَّفِينَةِ تَغْرِقُ وَ تُغْرِقُ''

''عالم کی لغزش کشتی کے توڑنے کی مانند ہے جو خود بھی غرق ہوتی ہے اور اپنے سواروں کو بھی غرق کرتی ہے۔''(بحارالانوار ج ۲، ح ۳۹)

ب) اختلاف پیدا کرنا:

تمام اختلافات کا سرچشمہ ہوائے نفس ہے، جہاں کہیں بھی آپ آپس میں اختلافات دیکھیں تو مطمئن رہیں کہ اس اختلاف کی وجہ ہوائے نفس ہے۔(صحیفہ امام ج ۱۸)

امام خمینیؒ نے کئی بار اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر تمام انبیاء ایک زمان ومکان میں جمع ہو جائیں تو ایک دوسرے کے ساتھ معمولی سا اختلاف بھی نہیں کریں گے کیونکہ ان میں ہوائے نفس نہیں اور وہ کمال تک پہنچے ہوئے انسان ہیں۔

ج) طغیان وسرکشی:

خداوند تعالی سورہ شمس میں تزکیہ نفس کے موضوع کے بعد نفس انسانی کے طغیان وسرکشی کا ایک نمونہ پیش کرتا ہے کہ قوم ثمود نے اپنی سرکشی اور طغیان کی وجہ سے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا اور ان کے معجزہ (ناقہ صالح) کو ذبح کر دیا۔

''كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ـ إِذِ انبَعَثَ أَشْقَاهَا ـ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَ سُقْيَاهَا ـ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ـ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا''

''(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث تکذیب کی۔ جب ان کا سب سے زیادہ شقی اٹھا، تو اللہ کے رسول نے ان سے کہا: اللہ کی اونٹنی اور اس کی سیرابی کا خیال رکھو۔ پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب ڈھایا پھر سب کو (زمین کے) برابر کر دیا۔''(شمس 11۔15)

د) دنیا وآخرت میں ہلاکت:

تزکیہ کا ہدف قلب انسان کو نور ہدائت کی شمع سے منور کرنا ہے، اور جب تک تزکیہ نہ ہو تو نفس انسانی طغیان گر رہے گا۔ اور جب تک تزکیہ نہ ہو علم خطرناک ہے بلکہ ہر شی سے زیادہ خطرناک ہے اور تزکیہ کے بغیر عہدہ ومسئولیت خطرناک ہے اور انسان کیلئے دنیا وآخرت میں ہلاکت میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔(صحیفہ امام ج ۱۴)

۴) امانت داری:

امانتداری ایسی خصوصیات میں سے ہے کہ جس کا حامل ہونا ایک مسئول کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ حکومت (یا کوئی اسلامی نہضت) ایک امانت الٰہی ہے جسے ایک مسئول کے ذمہ سونپا گیا ہے اور اسے اسکی حفاظت و نگہداری کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ امیر المومنین علیہ السلام اشعث بن قیس کندی کو لکھے گئے ایک خط میں فرماتے ہیں'' تیرا کام و ذمہ داری مختلف لذتوں کے حصول کے لئے نہیں ہے بلکہ تیری ذمہ داری امانت الٰہی ہے''اور خداوند فرماتا ہے:

''إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا''

''بے شک اللہ تم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو۔''(نساء:۸۵)

اور بعض روایات میں امانت کی تفسیر امامت کے ساتھ کی گئی

ہے یعنی امانت سے مراد امامت ہے۔ صاحب تفسیر مجمع البیان نے معنای امانت میں تین اقوال نقل کئے ہیں ایک کا تعلق کلید کعبہ (کعبہ کی چابی) سے ہے اور دوسرے دو معنا کی شرح کچھ یوں کرتے ہیں:

الف: جو امانت بھی لوگوں کے سپرد کی جائے اسکی حفاظت اور واپسی لازم ہے اور وہ دو طرح کی ہیں۔

اول: خداوند کی وہ امانتیں جن کا تعلق اوامر ونواہی سے ہے۔

دوم: بندگان خدا کی امانتیں جو اموال اور باقی اشیاء سے مربوط ہیں۔

ب: آیہ سے مراد وہ حاکم ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے لوگوں کے مال و جان کا محافظ اور انہیں دین وشریعت کی پاسداری اور اس پر عمل کروانے کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ (مجمع البیان ج ۳)

ہر دو معنی کی بنیاد پر حکومت اسلامی ونظام اسلامی، مسئولین کے پاس امانت الٰہی ہے پس مسئولین اسلامی خود دستورات اسلامی پر عمل کریں اور ان کی حفاظت کریں اور لوگوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی تشویق وترغیب دیں۔ لہٰذا اہم حکومت (اور مسئولیت) کو ایک ایسی امانت سمجھیں جو لوگوں کی طرف سے خاص افراد کو بطور امانت عطا کی گئی ہے اور مسئولین امانتدار اور امین اور قابل اعتماد ہونے چاہئیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَ أَمْوَالِهِم" (بحار الانوار: ج: ٦٤)

"مومن وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور اموال پر امین و نگہبان قرار دیں۔"

اور بڑا واضح ہے کہ امین کو چاہیے کہ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرنے کی کوشش کرے اور کبھی بھی اس میں خیانت نہ کرے اور اس امانت کو آئندہ نسلوں تک صحیح وسالم پہنچائے۔

اس بارے میں امام خمینیؒ کے چند فرمودات ملاحظہ فرمائیں:

فرمایا: "تمہارے ہاتھوں میں ایک امانت ہے حتماً اس کی حفاظت کریں اور وہ امانت جمہوری اسلامی ہے۔" (صحیفہ امام ج ۱۲)

دراصل انسان خدا تعالیٰ کی عطا کردہ امانتوں کا امانتدار ہے اور اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ الٰہی امانت ہے۔

کوشش کریں کہ جو امانت خداوند نے ہمیں عنائت کی ہے وہ روح، زندگی، اسلام اور قرآن ہے، اس کی حفاظت کریں۔

جو کوئی جس مسئولیت پر بھی فائز ہے امانتداری اس کیلئے لازم ہے۔

خدانخواستہ اگر ایک گروہ میں خائن پیدا ہو جائے تو سارا گروہ بدنام یا فاسد ہو جائے گا، تمام امور میں ایک لازمی امر امانت داری ہے۔ (صحیفہ امام ج ۱۷)

۵) عدل گرائی:

عدل کا تعلق اسلامی اقدار سے ہے جو کہ مسلمانوں کے اعتقادات کا حصہ ہے۔ اسلام نے اس کی بڑی تاکید کی ہے اور اسلامی حکام پر معاشرہ میں اس کی پاسداری لازم ہے۔ علم اخلاق میں عدالت کا شمار چار برترین اور بنیادی ترین فضائل میں ہوتا ہے جسے حکماء نے حکمت، شجاعت، اور عفت کے ہمراہ شمار کیا ہے۔ بلکہ عدالت کو کمال فضیلت سمجھتے ہیں۔ امام خمینیؒ عدالت کی تعریف کے بعد قوہ عملیہ کو معتدل اور عدالت محور بنانے اور تہذیب نفس کے بارے فرماتے ہیں:

"عدالت سے مراد تمام قوائے باطنیہ، ظاہریہ روحیہ اور نفسیہ کو معتدل کرنا ہے اور عدالت تمام فضیلت ہے نہ کہ جزو فضیلت۔" (شرح حدیث جنود عقل وجہل)

علمائے اخلاق عدالت کو افراط اور تفریط کا درمیانی راستہ یعنی حدوسط سمجھتے ہیں اور کمال انسانی کے سفر کو طے کرنے اور تہذیب نفس

کیلئے اس کا حصول ضروری سمجھتے ہیں۔

عدالت اجتماعی کو قرآن مجید میں انبیاء کے اہداف میں سے ایک ہدف کے طور پر بیان کیا گیا۔

''لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''

''بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تا کہ لوگ عدل کا قیام کر سکیں۔'' (حدید:۲۵)

امام علی علیہ السلام عدالت بارے میں فرماتے ہیں:

''خیر السیاسات العدل''

افضل ترین سیاست عدل ہے۔'' (غرر الحکم)

''العدل قوام الرعیة''

''رعایا کا قوام اور پائداری عدالت سے ہے۔'' (غرر الحکم)

''العدل حیاة''

''عدالت زندگی ہے۔'' (غرر الحکم)

''اعدل تدم لك القدرة''

''عدل کرو تا کہ تمہاری حکومت کو دوام و استمرار میسر ہو۔'' (غرر الحکم)

امام خمینیؒ مذکورہ بالا آیت کے تناظر میں اقامہ عدل الٰھی کو اھداف انبیاء علیہم السلام میں سے شمار فرماتے ہیں۔لہٰذا فرماتے ہیں کہ:

بنیادی طور پر انبیاء علیہم السلام بندگان خدا کی معنوی وارشادی خدمت اور بشر کو ظلمات و تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لانا، مظلوموں اور ستم دیدہ افراد کی خدمت اور فردی و اجتماعی عدل کے قیام کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔پس مسئولین کیلئے بھی، عدالت ایک لازمی عنصر ہے اور عدالت کا اجراء معاشرہ کے تمام افراد کیلئے ضروری ہے۔حتیٰ اپنی ذات کے بارے میں بھی عدالت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

''عدالت اسلامی انسان کی اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے اور ہر مرتبہ اور مقام تک لازم ہے۔انسان کی اپنی ذات کے ساتھ، دوستوں کے ساتھ عدالت، ہمسایوں کے ساتھ عدالت، اہل محلہ سے عدالت، ہم شہریوں سے عدالت، اہل علاقہ سے عدالت، اہل مملکت سے عدالت، ہمسایہ ممالک سے عدالت حتیٰ تمام بشریت سے عدالت۔اگر اسطرح کی عدالت قائم نہ ہو سکے تو نہ حکومت، حکومتِ اسلامی ہے اور نہ ہی سربراہ، سربراہ اسلامی ہے۔'' (صحیفہ امام ج ۸)

معاشرہ میں سارے ظلم و جبر کا سرچشمہ عدالت کا نہ ہونا ہے۔ تمام خیانتوں و فسادات کا سبب عدم عدالت ہے۔اسلام تمام اقرباء پروریوں، ظلم و ستم اور حقوق کے غصب کی روک تھام کیلئے تمام مسئولین کی عدالت پر تاکید کرتا ہے اور اسے ضروری شرط کے طور پر جانتا ہے اور خالق کائنات ایسے خدائے عادل کو سمجھتا ہے، جو ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اسلام ایسا دین ہے جس میں خدا کی ذات عادل ہے،، پیغمبر اور امام عادل و معصوم ہیں۔قاضی کا عادل ہونا ضروری ہے۔فقیہ کیلئے عدالت شرط ہے، طلاق کے گواہوں کیلئے عدالت ضروری ہے اور امام جمعہ حتماً عادل ہونا چاہیے۔ذات مقدس کبریا سے لے کر آخری مسئول تک کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔حکمرانوں کا عادل ہونا ضروری ہے اگر حکمرانوں (مسئولین) میں عدالت نہ ہو تو معاشرہ اور مملکت میں بھی وہی فسادات ہوں گے جو آج کل نظر آ رہے ہیں۔'' (صحیفہ امام ج ۳)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر قیصر عباس سیال شہید۔۔ایک گوہر نایاب

سید نثار علی ترمذی

ان دنوں 2 دیو سماج روڈ پر سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ میرا دفتر قریب تھا۔ جب دفتری کام سے تھک جاتا تو ستانے اور فریش ہونے کے لیے تحریک کے دفتر آ جاتا۔ یوں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی زیارت کے علاوہ مہمانوں سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ اس کے علاوہ بھی بوقت ضرورت فون کر کے بلا لیا جاتا۔ غرضیکہ دن میں کئی بار آنا جانا لگا رہتا۔ کوئی دس بجے کا وقت تھا۔ میں دفتر آیا تو دیکھا کہ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید ایک خوبصورت نوجوان کے ساتھ محو گفتگو ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی شہید ڈاکٹر نقوی نے اپنے روایتی انداز میں کہا کہ آغا ترمذی آپ کا ہی انتظار تھا۔ میرا تعارف کرواتے ہوئے اس نوجوان کو بتایا کہ ان کے بارے میں ذکر کر رہا تھا۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں بتایا کہ یہ قیصر عباس سیال ہیں اور ایم بی بی ایس فائینل ائیر کے سٹوڈنٹ ہیں، ان کے ایک یا دو پرچے کینسل ہو گئے ہیں۔ اگر اس کا حل نا نکلا تو ان کا ایک سال ضائع ہو جائے گا۔ میں نے سیال صاحب سے پوچھا کہ وہ جھنگ سے ہیں؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے ہاں میں جواب دیا اور ساتھ ہی مجھ سے پوچھ ڈالا کہ " جھنگ آلے ترمذی، مسلم حسین شاہ تہاڈے رشتہ دار ہیں؟" میں نے بتایا کہ وہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ انہوں نے ہنستے ہوئے بے تکلف ہوتے گئے جھنگ کے ترمذی سادات کے بارے میں قصے سنانے لگے۔ جھنگوچی زبان اور ڈاکٹر قیصر کا انداز بیان، وقت گزرنے کا علم ہی نہیں ہوا۔ آخر ڈاکٹر نقوی شہید نے مداخلت کرتے ہوئے متوجہ کیا جس مسئلہ کے لیے آئے ہو اس پر بات کی جاءے۔ ڈاکٹر قیصر تفصیل سے بتانے لگے کہ ہم تو کمرہ امتحان میں پرچہ حل کر رہے تھے کہ اچانک ایک جلوس اندر داخل ہو گیا اور بائیکاٹ بائیکاٹ کے نعرے لگانے لگا۔ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن یونیورسٹی نے دیگر کے ساتھ مجھ پر بھی ایک سال کے لیے پابندی لگا دی۔ ڈاکٹر نقوی شہید نے طنزیہ پوچھا قیصر تم نے ضرور حصہ لیا ہو گا؟ ڈاکٹر قیصر نے کہا قسم لے لو جو حصہ لیا ہو، ہاں جب تالیاں بجائی جا رہیں تھیں تو میں نے ان کے ساتھ تالیاں ضرور پیٹیں تھیں۔ شہید نے کہا شمولیت تو ہو گئی ناں۔ میں نے معاملے کی سنگینی کو درک کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ مارشل لاء کا دور ہے گورنر پنجاب ہی اس کو حل کر سکتا ہے۔ اس کے لیے سفارش تلاش کی جاے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے بتایا کہ انہوں نے حیدر علی مرزا صاحب سے رابطہ کیا اور وہ آتے ہوں گے۔ یوں ڈاکٹر قیصر عباس سیال سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ان سے تعلق، رابطہ اور دوستی ان کی شہادت تک برقرار رہی۔ اب جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو آپ دعا کا حصہ ہوتے ہیں۔

آپ کا مذکورہ بالا مسئلہ حل ہو گیا تو آپ لاہور کا حصہ بن گیے۔ لاہور کے متعدد ہسپتالوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ وحدت کالونی میں سرکاری گھر الاٹ ہو گیا، جہاں شام کو کلینک بنا لیا۔ آپ نے اپنے اخلاق و کردار و گفتار سے حیدر علی مرزا مرحوم کو گرویدہ بنا لیا تھا۔ مرزا مرحوم کے ہر پروگرام کے اسٹیج سیکرٹری ہوتے، بعض اشتہارات میں آپ کا نام بھی ہوتا تھا۔ آپ برادر امتیاز علی رضوی کی کابینہ میں آئی ایس او کے مرکزی نائب صدر رہے۔ آپ نے اپنی اس وابستگی کو آخری دم تک نبھایا۔ آپ اپنی اس مادر علمی کی اخلاقی، نظریاتی اور مالی تعاون کرتے رہے۔ یونٹ سے لے کر مرکزی پروگرام تک میں شرکت کے لیے آمادہ رہتے۔ ایک دور میں آئی ایس او کا دفتر آپ کے گھر کے قریب آصف بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور میں شفٹ ہوا تھا۔ یوں دفتر اور آپ کا گھر تقریباً ایک ہو گیا تھا۔ سینئرز آتے دفتر میں تھے مگر رہائش و کھانا ڈاکٹر قیصر کی طرف ہوتا۔۔ ان دنوں ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید نے اسٹڈی سرکل شروع کیا ہوا تھا۔ استاد مرتضی مطہری شہید کی فقہ و اصول فقہ کا جسے مدرسہ مظہر الایمان ڈھڈیال چکوال

نے شائع کیا تھا کا اجتماعی مطالعہ کر رہے تھے کہ موضوع علم حدیث و علم رجال زیر مطالعہ آیا۔ شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی نے مشورہ دیا کہ ہمیں اس موضوع پر کسی علمی شخصیت سے تبادلہ خیال کرنا چاہیے۔ تجویز ہوا کہ علامہ طالب حسین کرپالوی شہید سے استفادہ کیا جائے۔ اس کے لیے شہید قیصر کی رہائش گاہ تجویز ہوئی۔ جہاں رات گئے تک نشست رہی۔

آپ نے حیدر علی مرزا مرحوم سے تعلق کو مجبور و بے کس لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا۔ آپ اپنی ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آخری وقت بھی شیخ زید ہسپتال میں پیشہ وارانہ کورس کے سلسلے میں تعینات تھے۔ آپ ڈاکٹرز کی تنظیم کے سرگرم رکن تھے۔ پنجاب کی سابق وزیر صحت کے ساتھ نائب صدر تھے۔

آپ ملی، تنظیمی معاملات میں مسلسل تنزلی سے سخت پریشان تھے۔ میں اس بات کا گواہ ہوں شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی سے بارہا بحث کر چکے تھے اور انہیں متوجہ کرتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر شہید ان سے اتفاق کرتے ہوئے پرامید رہنے کا مشورہ دیتے رہتے۔ ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی شہادت سے ایک ڈیڑھ ماہ پہلے تحریک کے دفتر مسلم ٹاؤن لاہور میں ایک طویل نشست ہوئی، جس میں دونوں شہداء کے علاوہ برادر تسلیم رضا خان اور بندہ ناچیز موجود تھے۔ جس میں کافی بحث و مباحثہ کے متعدد تجاویز مرتب کی گئیں۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کے بعد آپ نے اس خلاء کو کافی حد تک پر کیا۔ ایک مرتبہ میری طبیعت ناساز ہوگئی۔ سوچا کہ کہاں جاؤں تو ڈاکٹر قیصر کا خیال آیا۔ فون کیا تو کہا کہ شام کو کلینک پر آجاو۔ وہاں گیا تو مجھے شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی اور ڈاکٹر قیصر سیال کے رویئے اور انداز میں کوئی فرق نہیں لگا۔ باوجود میرے اصرار کے فیس نہیں لی بلکہ کہا کہ چائے پیے بغیر نہیں جانا۔ غرضیکہ وہی محبت جس کی تمنا تھی میسر آئی۔ جاتے ہوئے کہنے لگے ترمذی صاحب بغیر کم دے وی ملدے رہیا کرو، تہاڈے نال توں ساڈے کئی سانگے ہن۔

7 مارچ 1999 ڈاکٹر محمد علی نقوی شہید کی برسی کا دن تھا۔ میں اپنے بیٹے ارتضیٰ کو لے کر علی رضا آباد پہنچا، تو وہاں پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ مزار پر حاضری دینے کے بعد مسجد میں تلاوت قرآن پاک کرنے لگ گیا۔ دس بج گئے تو پولیس کا ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ کیا پروگرام ہے۔ میں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساڑھے دس بجے کے قریب ایک بس آکر رکی جس میں سے تیس چالیس نوجوان اترے۔ انہوں مزار پر حاضری دی۔ اسی دوران شہید ڈاکٹر قیصر عباس سیال بھی آ گئے۔ اسکاوٹ سلامی ہوئی۔ ڈاکٹر قیصر نے مجھے کہا کہ انہوں نے سیدنوں رول دیتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے؟ تو شہید نے کہا انشاء اللہ اگلے سال برسی ہم خود کریں گے۔ جہاں بھی ملتے تو برسی کی یاددہانی ضرور کرواتے۔ اگلا سال شہید کی زندگی میں نہیں آیا مگر شہید سے وعدہ کیا یاد تھا۔ میں نے برادر ضمیر حسین ترمذی سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے حامی بھر لی، یوں رابطوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، انجم رضا ترمذی، امجد کاظمی، ظفر سرگانہ اور بہت سے لوگ مل گئے۔ تین چار سال برسی پورے جوش و جذبے کے ساتھ منائی گئ۔ پھر الحمدللہ تنظیم نے یہ ذمہ داری سنبھال لی جو اب تک جاری ہے۔ یہ ایک شہید کی خواہش کا ثمر ہے۔

ان سے آخری ملاقات شہید کی زندگی کے آخری اتوار ہوئی۔ المصطفی ہاوس، مسلم ٹاؤن میں ایک اجلاس تھا جس میں ملک بھر سے چیدہ چیدہ افراد شریک تھے، اس میں کچھ قومی وملی امور طے ہونا تھے جن میں قیادت کا ایشو سرفہرست تھا ہم سارا دن اکٹھے رہے اور اجلاس میں شریک رہے۔

یکم اکتوبر 1999 کی صبح میں جب اپنے سرکاری دفتر گیا تو جیسے ہی اخبار پر نظر پڑی تو اس کی بڑی شہ سرخی تھی کہ پنجاب میں فرقہ وارانہ دہشت گردی۔ اس کی ذیلی سرخی میں تھا کہ لاہور میں ڈاکٹر قیصر عباس سیال، بہاولنگر میں مظہر خمینی اور ممتاز الحسن کھوکھر دہشت گردی کا شکار ہوگئے۔ ملت کے تین ہیرے خاک و خون میں نہلا دیے گئے۔ میں تو کافی دیر کرسی پر بے حس بیٹھا رہا۔ اتنے میں وحدت کالونی سے میرے دوست و کولیگ رانا سہیل آ گئے۔ میں نے انہیں خبر دکھائی تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو کل شام کا واقعہ ہے اور آج گیارہ بجے جنازہ ہے۔ پھر اس نے جو ڈاکٹر کے فضائل بیان کرنے شروع کردیے۔ غرضیکہ اس کے وحدتِ کالونی آیا تو شہید کے چھوٹے بھائی طاہر عباس سیال میت لینے آئے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی گلے لگ کر بلند آواز گریہ کرتے ہوئے کہنے لگے ترمذی صاحب اسیں تا اجڑ گئے ہاں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ واقعی جس قوم کے اتنے سنہری لوگ چلے جائیں تو قوم اجڑ ہی جاتی ہے۔

لبیک اللھم لبیک

براد رعرفان حیدر (جھنگ) کا بیت اللہ سے خصوصی مراسلہ

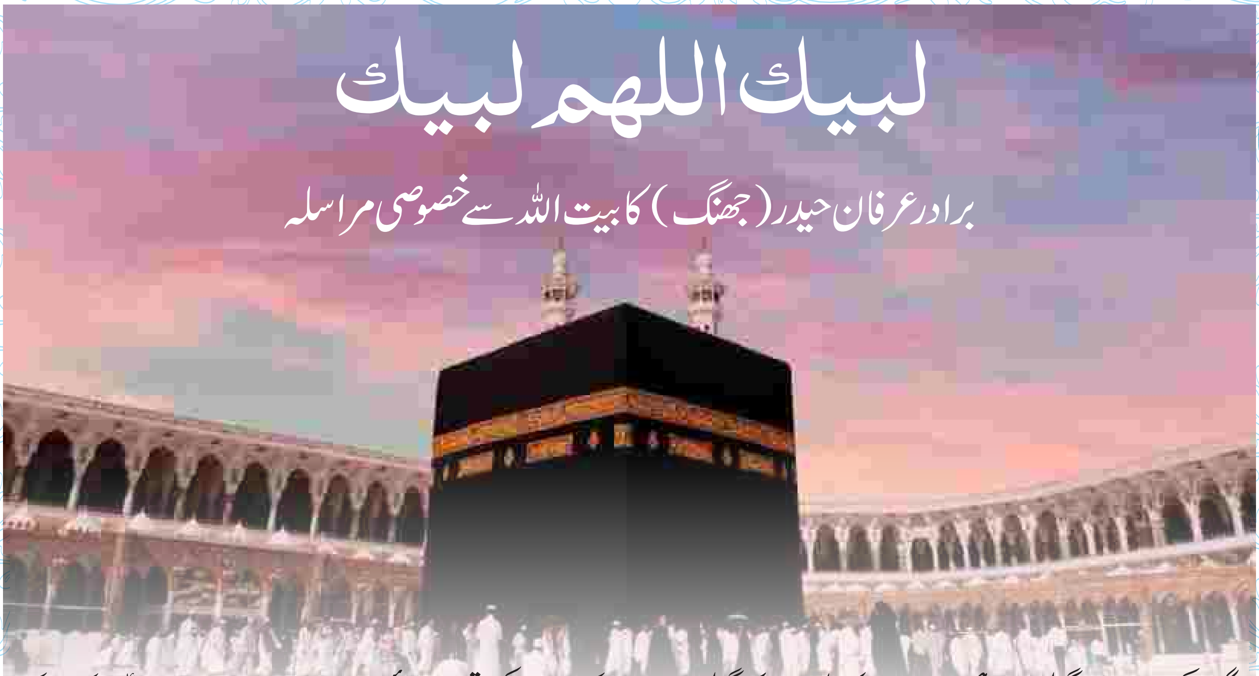

لوگ کہتے ہیں دنیا گول ہے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا کہ گول ہو یا بیضوی لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس کا محور و مرکز بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ ہے، کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسکو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے ملکر پتھروں سے تعمیر کیا، دراصل یہ اللہ کریم کی طرف رجوع اور متوجہ ہونے کیلیے ایک محور اور مرکز یعنی بیت اللہ ہے، کعبہ کے ایک کونہ میں رکنِ یمانی ہے کعبہ کی دیوار پہ دراڑیں مبارک باد دیتی ہیں ہر بوسہ لینے والے کو کہ یہی جگہ امیر المومنینؑ کی ولادت کی نشانی ہے، بیت اللہ کے قرب میں صفا اور مروا پہاڑیاں ہیں جن کو خود اللہ کریم نے شعائر اللہ کا نام دیا ہے، مجھے اسی جگہ آنے کا موقع ملا جہاں دنیا بھر سے اللہ کریم کو واحد و یکتا ماننے والے آئے ہوئے تھے، عجیب بات یہ تھی کہ مختلف رنگ نسل اور علاقوں سے آئے ہوئے لوگ رنگ برنگے ملبوسات اتار کر فقط دو سفید رنگ کی چادروں میں لپٹے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہے تھے جبکہ عورتیں اپنی روائتی لباس میں ملبوس ہاتھ میں تسبیح لیے ورد میں محو تھیں البتہ عورتوں کے لباس کا فیشن تو اللہ کریم کے گھر میں بھی اپنی مثال آپ تھا، میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہا تھا کہ اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے احرام باندھنے کے بعد کعبہ کے سات چکر مختلف دعائیں پڑھتے ہوئے مقامِ ابراہیمؑ اور کعبہ کے درمیانی حصہ سے گزرتے ہوئے مکمل کئے تو مقامِ ابراہیمؑ جہاں پہ حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک کے نشان ہیں کے قریب دو رکعت نمازِ طوافِ کعبہ ادا کی مگر لوگوں کے دھکے ادھوری نماز کا سبب بنے، دوبارہ کوشش کامیاب ہوئی اور اللہ کریم کا شکر ادا کیا، اسی مقامِ ابراہیم کے پاس ہی آبِ زم زم کا کنواں ہے جو حضرت اسماعیل کے پاؤں کی ایڑھی رگڑنے سے جاری ہوا تھا لیکن وہ نظر نہیں آیا کیونکہ نیچے والے پورشن پہ وہ آج بھی کنواں موجود ہے جہاں ہم نہ جاسکے۔ کولرز میں ٹھنڈا اور نارمل آبِ زم زم موجود تھا جو جی بھر کے پیا اور الحمداللہ پڑھا کر صفا مروا کی سعی کیلیے آگے بڑھے اور یہاں پہ بھی سات کا ہندسہ

دہرانا تھا جو تھکاوٹ کیوجہ سے کم و بیش ایک گھنٹہ کا دورانیہ میں مکمل ہوا وہاں ایک جگہ دوڑنا پڑتا تھا یہ بھی حکمتِ خداوندی ہے کہ حضرت

حاجرہؑ کی یاد کو تو تازہ رکھا گیا ہے لیکن نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتولؑ امام حسینؑ کی یاد کو منانا لوگ بدعت اور گناہ سمجھتے ہیں اور بے جا تنقید کرتے ہوئے جلوسِ اعزاء میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں شائد ان کا امام حسینؑ سے رشتہ کمزور ہوتا ہوگا۔ خیر میں یہی سوچتا ہوا حرم کی حدود سے باہر جا رہا تھا کہ ایک حجام لباس پہنے دس ریال کی کہانی میرے قریب آ کے کہتا ہے جو پانچ ریال میں طے ہوئی اور سر کے نرم بالوں کو کٹوا کے پھر کعبہ کی طرف پلٹا تا کہ شکر ادا کروں اور طواف النساء کے سات چکر لگا کے دو رکعت نماز ادا کروں، یہ نماز ادا کی مگر اب بالکل تھک چکا تھا اگرچہ آج کل سہولیات بہت ہیں ہوائی جہاز ٹھنڈے پانی اے سی کولر ویل چیئر کی سروس لیکن وہ وقت کیسا ہوتا ہوگا جب پیدل پیاس گرمی سردی کی شدت میں پاؤں زخمی ہو جاتے تھے خیر وہ ان لوگوں کے ایمان کی طاقت تھی، ہماری شائد ملاوٹ والی اور ناقص خوراک جسمانی کمزوری کا باعث بنتی ہے جس وجہ سے ہمارے لیے سازگار ماحول ہی بہتر ہے ضلع جھنگ کے ایک گاؤں رتہ متہ یعنی ہمارے محلہ میں بھی اللہ کا ایک گھر ہے جو ہم سب نے ملکر بنایا ہے مگر وہاں نہ عورتیں نماز کیلیے جاتی ہیں نہ جمعۃ المبارک کیلئے حتیٰ کوئی مرجائے تو جنازہ بھی نہیں پڑھتی کیونکہ یہ اسلامی اقدار ہیں جبکہ جب دنیا داری کے معاملات ہوں تو شادی بیاہ کی تقاریب عورتوں کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی ہیں بازاروں کی زینت حتی آج کل تو اتوار/ جمعہ بازار لگتے ہی عورتوں کیوجہ سے ہیں

،عورت امامِ جمعہ نہیں بن سکتی قاضی نہیں بن سکتی، عورت کیلیے جہاد واجب نہیں ہے لیکن جب دین کو ضرورت پڑی تو یہی عورت خدیجہ الکبریٰؑ روزانہ مکہ سے جبل النور تک کھانہ لیکر رسول اکرمؐ کیلیے جاتی تھیں لیکن آج اے سی والی مسجد میں محراب میں کھڑے ہو کر تقریریں کرنے والے مولانا حضرات یہ صعوبتیں اور زحمتیں برداشت کرنے کو تیار نہیں اور سازگار ماحول کے بغیر نہ مجلس پڑھتے ہیں اور نہ کہیں امامت کرواتے ہیں کیونکہ بچوں کے پیٹ پالنے کیلیے پیسہ ڈالر درہم و دینار چاہیے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ یہ پھر کارِ حسینیؑ و کارِ زینبیؑ و کارِ انبیاءؑ ادا نہیں کر رہے کیونکہ کسی نبی امام نے دین کے امور کیلیے ڈالر درہم و دینار کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اپنے معاشی حالات بہتر کرنے کیلیے مزدوری کرتے حتیٰ جانور پالتے تھے اور ساتھ ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے پھر یہ آج کا مولانا اپنے عمامہ کے تقدس کی آڑ میں کیوں مزدوری نہیں کرتا؟ اپنا معاش دین کو ہی کیوں بنایا ہوا ہے، مولا علی المرتضیٰؑ کنواں کھود سکتے ہیں تو یہ عمامہ و عبا جبہ و دستار کے ساتھ کیوں کام نہیں کر سکتے؟ سلمان منا اہللبیت کا مصداق بننا ہر کسی کے مقدر میں کہاں اور ہر صاحبِ دستار خمینی نہیں ہوتا، اچھا بات ہو رہی تھی کہ کہیں یہی عورت محافظِ رسولؐ بنتی ہے، کہیں یہی عورت حضرت فاطمۃ الزہراءؑ مدینہ میں محافظِ امامت و ولائت بنتی ہیں، یہی

عورت کربلا معلیٰ میں زینبِ کبریٰؑ محافظِ مشنِ امام حسینؑ بن کر امام زین العابدینؑ کو جلتے خیموں سے پشت پہ اٹھا کر کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں دین کی محافظ اور بیت اللہ کی محافظہ بنتی ہیں۔ بیت اللہ کی عظمت کو میں تو بیان نہیں کر سکتا بس اتنا ہی کہوں گا کہ یہی حقیقت ہے

۔۔۔کہ۔۔۔اللہ اکبر۔۔۔

خاک پر سجدہ کرنا روحِ عبادت ہے

آیت اللہ جعفر سبحانی

اسلامی محققین اپنی بصیرت کی بنا پر اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ تمام موجودات اپنے خالق سے ایک خاص رابطہ رکھتی ہیں۔ اگر اس رابطہ کو خالق سے توڑ دیا جائے۔ تو پھر ان موجودات کا وجود ہی فنا کی نذر ہو جائے گا۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے اے لوگو تم سب کے سب خدا کے محتاج ہو اور (صرف) خدا ہی (تمام لوگوں) سے بے نیاز اور حمد وثنا کا مستحق ہے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اپنے کو پہچاننا خدا کو پہچاننا ہے کیونکہ حقیقت وجود انسان بھی اس ذات غنی وحمید سے مربوط ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے کو پہچانے اور اس حقیقی رابطہ کو فراموش کردے جو اس کے اور رب جلیل کے درمیاں موجود ہے

لہٰذا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ خدا کو بھولنا خود کو فراموش کرنے کے مترادف ہے جیسا کہ قرآن مجید اس چیز کی طرف اس آیہ شریفہ میں اشارہ کررہا ہے (اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو خدا کو بھلا بیٹھے تو خدا نے انھیں ایسا کردیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے۔)

انسان کو ان لوگوں جیسا نہیں ہونا چاہئے جنھوں نے خدا کو بھلا دیا کیونکہ قرآن خود ان کو جواب دیتا ہے کہ انھوں نے اپنی ہستی کو بھلا دیا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نمک کھائے اور نمک دان کو بھول جائے؟ یہ ناشکری کی آخری حد ہے۔ خالق ومخلوق کا رابطہ یہ وہ حقیقت ہے جس تک محققین دلیل وبرہان کے ذریعہ پہنچے ہیں۔ اور عرفا سیر وسلوک کے ذریعہ کشف وشہود کی منازل کو طے کرنے کے بعد بصیرت کی نگاہوں سے اس رابطہ کا مشاہدہ کیا ہے۔ جبکہ بہت سارے عام لوگوں نے بھی فطرت کی طرف رجوع کرکے اس حقیقت کو درک کیا ہے کہ انسانی وجود کا دارومدار ہر لحاظ سے اسی بے نیاز خدا سے رابطہ کے اوپر قائم ہے۔ واضح ہے، کہ خدا کی پہچان انسان کے بدن میں ایک جنبہ روحی کی حیثیت سے تجلی اور خودنمائی کرتی ہوئی خدا کے سامنے فروتن وخاضع ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تمام کی تمام شریعتیں اور عبادتیں مثلاً نماز وروزہ اس لئے ضروری قرار دیئے گئے ہیں کہ عقلاً فکر وتدبر سے اور عرفا کشف وشھود سے اور ایک عام انسان اپنی فطرت کی طرف رجوع کرکے خداوند عالم کی بارگاہ میں سربسجود ہو۔ اسلام کا مقدس نظام گذشتہ شریعتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

خود یہ نماز انسان کی حس اولیہ کو جلا وروشنی بخشتی ہے، ہم اس کا احساس نہیں کرسکتے، کیونکہ نماز ایک عبادت توفیقی ہے۔ لہٰذا اسکی تمام خصوصیات کو خداوند عالم ہی جانتا ہے

فقہ امامیہ میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ نماز پڑھنے والا صرف زمین (پتھر اور خاک) اور جو چیز اس سے اگتی ہے اس پر سجدہ کرے ان شرائط کی پابندی کرنا علما امامیہ کی نظر میں ضروری ولازمی ہے، اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ زمین ونباتات پر سجدہ فروتنی وخاکساری کی عظیم تجلی گاہ ہے جو نماز کا پہلا مقصد ہے کہ انسان خداوند جلیل کے سامنے اپنے کو ذلیل وحقیر اور پست ونادار شمار کرے جیسا کہ گذشتہ آیت میں ذکر ہوا ہے۔ (فاطر)

اب سونے، چاندی اور قیمتی کپڑے اور لباس پر سجدہ کرنا کیا فروتنی وانکساری کے ساتھ سازگاری رکھتا ہے؟! اس لئے اہل بیتؑ کے چاہنے والے، کارخانہ، مراکز، مسافرت اور ہر وہ جگہ جہاں پر انکو یہ اندیشہ ہو کہ مٹی نہ ملے گی وہاں اپنے ساتھ پاک وپاکیزہ مٹی لے جاتے ہیں تا کہ نماز کے وقت خدا کے سامنے (خاک ریز ہوں) خاک پر سجدہ کریں لہٰذا ایسا کام بدعت اور اسلام میں نو آوری کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ عین فروتنی ہے، کیونکہ بزرگان ماسلف کے درمیان بھی ایسی ہی رسم موجود تھی۔ بلکہ واجب ہے کہ انسان ایسا کرے تا کہ نماز تمام شرائط کیساتھ انجام دی جاسکے۔ اور یہ بھی کتنی پیاری چیز ہے کہ

بعض افراد اپنے گھروں میں، جھولیوں میں تھوڑی خاک رکھے رہتے ہیں ،تاکہ مجبوری میں اس پر تیمم کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوسکیں۔اس لئے کہ ہروقت انسان کی دسترسی پاک مٹی تک نہیں ہوتی ہے اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: (صعیدا طیبا) پاک مٹی پر تیمم کر کے اپنے فریضہ کو انجام دو۔(کہنا پڑیگا) علما اہل سنت زمین اور اس سے اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنے کے فلسفہ سے آگاہی نہیں رکھتے بلکہ وہ صحابہ وتابعین کی سنت وسیرت سے بھی لاعلم ہیں اس کتاب میں خاک پر سجدہ کرنے کا فلسفہ صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اگر وہ لوگ اسکو دقت اور توجہ سے مطالعہ کریں تو مجبور ہو کر اپنے فریضہ کی ادائیگی میں تجدید نظر اور تبدیلی کی سوچ میں پڑ جائیں گے۔تعجب ہے بہت سارے نادان اور نام نہاد علما کا خیال خام یہ ہے کہ شیعہ خود مٹی کی عبادت کرتے ہیں جبکہ یہ بات بدیہی اور واضح ہے کہ شیعہ خضوع وخشوع اور فروتنی کے لئے خاک پر سجدہ انجام دیتے ہیں۔

جس طریقے سے مسلمانوں کے تمام فرقے کسی نہ کسی چیز پر سجدہ کرتے ہیں، (ہم نہیں کہتے کپڑے کی پوجا کرتے ہو) اسی طرح ہم بھی دو چیزوں پر (زمین اور اس سے اگنے والی چیز) سجدہ کرتے ہیں، جس طریقے سے وہ لوگ کپڑے وکتان پر سجدہ کرنے کو خود کپڑے کی عبادت نہیں کہتے تو ہم مٹی پر سجدہ کرتے ہیں کہاں سے مٹی کی عبادت ہو جائے گی!

زمین پر سجدہ کرنے کے دلائل:۔

سوال: ایک سوال یہاں پر اور پیدا ہوتا ہے کہ شیعہ فقط زمین اور اس سے اگنے والی چیزوں پر ہی کیوں سجدہ کرتے ہیں؟ اور دوسری کسی چیز پر سجدہ نہیں کرتے؟

جواب: اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جس طرح کسی بھی عبادت کے لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم پیغمبرؐ کے ذریعہ اس عبادت کو لوگوں تک پہونچائے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے، کہ اسکے شرائط واحکام بھی خدا اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہی لوگوں تک پہونچائے۔اس لئے کہ رسول خداؐ قرآن کے حکم کے مطابق تمام لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ عمل ہیں۔لہٰذا تمام مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ انہیں سے تمام دینی احکام کو سیکھیں۔

اس بنا پر پیغمبر اسلامؐ سے منقول متعدد حدیثیں اور آپ کی سیرت عملی اور آپ کے اصحاب وتابعین کے طریقہ عملی اور انکی روش جو عام طور سے اہل سنت کی روائی کتابوں میں موجود ہے انہیں ہم قارئین کرام کے سامنے انشا اللہ تفصیل سے پیش کرینگے۔اور پھر ہر شخص یہ گواہی دینے پر مجبور ہو جائیگا کہ حقیقت کیا ہے؟ نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ آنحضرتؐ وآپ کے اہل بیتؑ اور اصحاب وتابعین کا وطیرہ یہ تھا کہ وہ زمین، یا اس سے اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرتے تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے آج شیعہ حضرات آپ کی سیرت پر چلتے ہوئے پابند عمل ہیں۔

۔خاک پر سجدہ پیغمبرؐ کی سنت ہے: حضور ختمی مرتبتؐ کے اقوال واحادیث دنیا کے تمام مسلمانوں کی نگاہ میں حجت اور ایسے چشمے کے مانند ہیں کہ ہر شخص اس سے استفادہ کرنے اور اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل قرار دینے کو لازم و واجب سمجھتا ہے۔

جس طرح شیعہ حضرات تمام امور زندگی میں بالخصوص اسلام کے بنیادی احکام کے استخراج کے سلسلہ میں اپنا مرکز وماخذ پیغمبرؐ کی احادیث کو قرار دیتے ہیں اسی طرح سے سجدہ کے احکام میں بھی آنحضرتؐ کے اقوال کی اتباع کرتے ہیں۔علمائے اسلام نے زمین اور اس سے اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنے کے متعلق بہت ساری روایتوں کو آنحضرتؐ سے نقل فرمایا ہے جن میں سے ہم چند احادیث کو بطور تبرک نقل کرتے ہیں۔

۔محدثین حضرات نے حضور پاکؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: زمین میرے لئے سجدہ کی جگہ اور پاکیزگی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

یہ روایت مختلف الفاظ میں حدیثوں کی متعدد کتابوں میں درج ہے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۔مسلم بن حجاج اپنی صحیح میں نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: تمام زمین ہمارے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزگی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

۔بیہقی اپنی سنن میں حضورؐ سے اسطرح نقل کرتے ہیں: زمین میرے لئے پاک وپاکیزگی اور سجدہ کی جگہ قرار دی گئی ہے۔

۔اور بحار الانوار میں اس طرح منقول ہے۔زمین آپؐ اور آپ کی امت کے لئے سجدہ گاہ اور پاک وپاکیزہ قرار دی گئی ہے۔

۔اور مصباح المسند میں مرقوم ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا: تمام زمین میرے اور میری امت کے لئے سجدہ گاہ اور پاک وپاکیزگی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

مذکور روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی سطح چاہے خاک اور پتھر یا گھانس ہو اس پر سجدہ کرنا صحیح ہے اور وہ پاکیزگی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔لہٰذا بغیر کسی معقول عذر کے کسی کو اس حد سے تجاوز کا حق نہیں ہے۔یہاں پر لفظ جعل قانون بنانے کے معنی میں ہے جیسا کہ عبارت سے بخوبی روشن ہے۔اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا اسلام کے پیروکاروں کے لئے خدا کا حکم ہے۔اور اس کی اتباع کرنا ہر مسلمان کے اوپر واجب ہے۔

☆☆☆☆☆

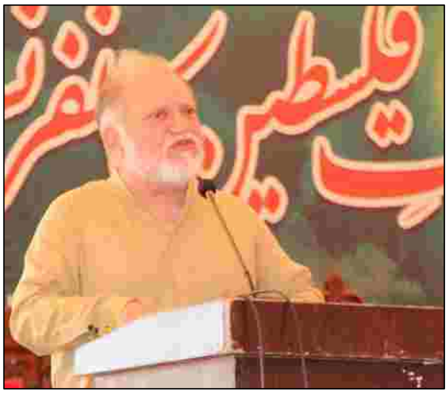

استقامت فلسطین کانفرنس